مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول ''لاہور''

قسط نمبر:۴

''لوگ سمجھتے ہیں کہ تم بیمار نہیں ہو
یہاں تک کہ وہ بیماری کو تمہارے چہرے پہ نہ دیکھ لیں
ایک ایسے نقشے کی مانند
جو درد کی ہر منزل تک جاتا ہو۔
میرا بیمار دل ایک قید خانہ ہے
''کیا تم نے کوشش کی'' جیسے سوالوں کا۔
کیا تم نے کوشش کی؟
خوراک بہتر کرنے کی؟
اداس نہ رہنے کی؟
بیمار نہ پڑنے کی؟
ہاں میں نے کی ہے کوشش۔
مگر میں اب بھی بیمار ہوں۔
کیونکہ کبھی کبھی آسیب اَن دیکھے ہوتے ہیں۔
اور شیاطین اندر سے حملہ آور ہوتے ہیں۔
صرف اس لیے کہ تم نہیں دیکھ سکتے
میرے شیاطین کے پنجے اور دانت'

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

تم نہیں جان سکتے کہ

وہ مجھے اندر سے کاٹ کے لہولہان کر رہے ہیں۔

درد محسوس کرنے کے لیے

اس کا دکھائی دینا ضروری نہیں ہوتا۔

کوشش کرنے سے بیماریاں نہیں چلی جاتیں۔

شفا کے معجزے

ایسے ہی عمل میں نہیں آجاتے۔''

ایم رائے۔ دی فرسٹ اسٹیپ۔

تاریخ تھی چار اپریل۔

شہر تھا اسلام آباد کا۔

اور یہ ان چاروں کی ہوٹل سوئیٹ میں ملاقات سے ایک رات پہلے کا وقت تھا۔

جیسے دنیا کی ہر کامیابی اور ناکامی ایک آئیڈیے سے شروع ہوتی ہے' ویسے ہی اس فریب کے کھیل کا آغاز بھی ایک آئیڈیے سے ہوا تھا۔

اور یہ آئیڈیا عبدالمالک فرید نے پیش کیا تھا۔

''باڈی گارڈ؟'' ماہر نے لائٹر جیب سے نکالتے ہوئے چونک کے اسے دیکھا۔ ہوٹل سوئیٹ میں رات کی مناسبت سے زرد بتیاں جلی تھیں۔ مالک ایک صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ جیل سے جمے سفید بال' بے شکن گرے سوٹ... مالک دن ختم ہونے کے باوجود صبح کی طرح فریش اور تیار لگ رہا تھا۔

''ہاں باڈی گارڈ۔ اسے باڈی گارڈ کی ضرورت ہے اور تمہیں معلومات۔ باڈی گارڈ اپنے مالک کے سب سے قریب ہوتا ہے۔ صرف وہی اس کے دشمن کو تلاش کر سکتا ہے۔''

''انٹرسٹنگ۔'' ماہر لائٹر لیے کھڑکی کے قریب آیا۔ اس کی سفید شرٹ کے کف بند تھے البتہ ٹائی ڈھیلی تھی۔ کوٹ ایک طرف اسٹینڈ پہ لٹکا تھا۔ کھڑکی کے قریب کنسول ٹیبل پہ گلاس جارز میں دو موم بتیاں رکھیں تھیں۔ اس نے لائٹر جلایا اور شعلہ ایک موم بتی کو دکھایا۔ وہ جل اٹھی۔ رات کی مصنوعی روشنیوں میں ایک کا اضافہ ہوا۔

www.facebook.com/nemra.ahmed.official/

''جس لڑکی کو تم تین ماہ سے تلاش کر رہے تھے' میں نے اسے دو دن میں ڈھونڈ لیا ہے' ماہر۔'' مالک اسی سپاٹ لہجے میں بولا اور گھٹنے پہ رکھے ٹیب کی اسکرین روشن کی۔''اس کا پورا نام کشمالہ مبین ہے۔اس کی ماں کا نام حورِ جہاں ہے۔''

''حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔''اس نے بڑبڑاتے ہوئے دوسری موم بتی روشن کی۔وہ مالک کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

''وہ ایک ریستوران مینیجر ہے۔ریستوران اس کے کلاس فیلو کا ہے جسے اس نے اس کے ساتھ بنایا ہے۔وہ یہاں اکیلی رہتی ہے۔کسی رشتے دار کے گھر۔اور....''اس نے توقف کیا۔''اس نے اپنی دوست کو کال کر کے کہا ہے کہ اسے ایک باڈی گارڈ کی ضرورت ہے۔وہ ہر چند ہفتے بعد ایک نیا گارڈ رکھتی ہے کیونکہ پرانا گارڈ جاب چھوڑ جاتا ہے۔''

ماہر نے لائٹر بجھایا اور مالک کی طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں ناگواری تھی۔

''یعنی تم نے اس کی کالز ریکارڈ کی ہیں۔کیا اب ہم ایسے کام کریں گے' مالک؟''

''میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔کیونکہ میں تمہیں بہت سی جگہوں سے نکال کے لایا ہوں' ماہر۔اس جنون سے بھی نکال لوں گا۔''

مالک نے ٹیب کی اسکرین پہ چہرہ جھکایا۔اور بات جاری رکھی۔''اس کی ایک بہن بھی ہے۔کینیڈا میں رہتی ہے۔پڑھائی کے بعد اس نے جاب نہیں کی۔پریگننٹ ہاؤس وائف ٹائپ۔''

''وہ اہم نہیں ہے۔اہم یہ لڑکی ہے جس کی تصویر اس البم میں ہے۔''

موم بتیاں شعلوں کی حدت سے پگھلتی جا رہی تھیں۔ان کی موم سے لیونڈر اور موتیے کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔

''ماہر... تمہیں یقین ہے یہ لڑکی....''مالک نے میز پہ رکھے البم کی طرف اشارہ کیا۔''واقعی کچھ جانتی ہے؟''

''مجھے یقین ہے۔''وہ کنسول ٹیبل سے ٹیک لگائے سینے پہ بازو باندھے کھڑا تھا۔اس کا چہرہ سنجیدہ اور لہجہ اٹل تھا۔''حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ...وہ جانتی ہے۔''

''یہ سب کرنے کے بجائے....''آواز پہ ان دونوں نے چہرہ موڑ کے سامنے دیکھا جہاں ایک کاؤچ پہ بیر بل ٹانگیں لمبی کیے موبائل ہاتھوں میں لیے بیٹھا تھا۔''just ask her nicely''اس نے مسکرا کے سادگی سے حل بتا دیا۔

www.facebook.com/nemra.ahmed.official

''تم یہاں کیوں ہو؟'' اب کے ماہر بولا تو آواز میں ناگواری تھی۔

''کیونکہ میں تم دونوں کو اس غلط کام سے باز رکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ عینک لگائے موبائل پہ ساتھ ساتھ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ ''اس کی زندگی میں کسی کو داخل کرنے کی بجائے اس سے ڈائیریکٹ پوچھ لو۔ بات ختم۔''

مالک نے بس افسوس سے اسے دیکھا اور ماہر... اس کے چہرے پہ سایہ سا گزرا۔

''وہ میرا یقین نہیں کرے گی' بی۔'' وہ دھیرے سے بولا اور کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔ نظریں باہر پھیلی شہر کی روشنیوں پہ جمی تھیں۔ ''ماہر فرید کا کوئی یقین نہیں کرتا۔''

''ماہر درست کہہ رہا ہے۔ میں نے اس کی کالز سنی ہیں' بیر۔ وہ ایسی باتوں پہ یقین نہیں رکھتی۔ بالفرض ماہر یہ البم لے کر اس لڑکی کے پاس جائے تو وہ کیا کرے گی؟'' مالک سمجھانے سے زیادہ ٹوکنے کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''وہ ماہر فرید کو گوگل کرے گی۔ گوگل کبھی کچھ نہیں بھولتا۔ اور گوگل پہ لکھا ہے کہ ماہر فرید ایک سائیکو پیتھ ہے۔''

''تم دونوں ہی سائیکو پیتھ ہو۔'' بیر بل بڑبڑاتے ہوئے ٹائپ کر رہا تھا۔

''ایک سائیکو پیتھ آپ کی تصویر والی البم لے کر آپ کے پاس آئے اور پوچھے کہ آپ کا دشمن کون ہے یا آپ...'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''کچھ جانتی ہیں... کسی... کسی کے بارے میں....''

مالک نے تھوک نگلا۔ ماہر نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک دم کمرے میں کرب سا پھیل گیا۔ بیر بل کی ٹائپ کرتی انگلیاں تھم گئیں۔

''تو کیا وہ اعتبار کرے گی؟ یا وہ ماہر فرید کو ایک تعاقب کار سمجھ کے خود سے دور رہنے کو کہے گی؟ اجنبیوں کو کوئی کچھ نہیں بتاتا۔''

سوئیٹ میں سناٹا چھا گیا۔ موم بتیوں سے اٹھتی خوشبو نے سارے کو معطر کر دیا تھا۔ بیر بل نے گہری سانس کھینچ کے یہ خوشبو اندر اتاری۔ اور پھر اپنے خیالات باہر نکالے۔

''تم لوگ اس فریب کو جسٹفائی نہیں کر سکتے۔ یہ غلط ہے۔ اور یہ ہر لیول پہ غلط ہے۔''

''میرا مقصد اس کو نقصان پہنچانا نہیں ہے' بیر۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''باڈی گارڈ اس کی حفاظت کرے گا۔ تاکہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔ وہ خود بھی اپنے دشمن کو نہیں جانتی۔ باڈی گارڈ اس کا دشمن ڈھونڈے گا۔ اور پھر اس کی زندگی سے چلا جائے گا۔ اسے کبھی معلوم نہیں ہو گا کہ ہمارا اس میں کوئی ہاتھ ہے۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

''پھر بھی یہ غلط ہے۔'' بیر بل نے احتجاج کیا۔

ماہر نے باہر پھیلی رات میں جھلملاتی روشنیوں کو دیکھا۔

''مجھے ایک چانس لینا ہے۔ پھر چاہے مجھے ساری عمر اس گلٹ کے ساتھ کیوں نہ رہنا پڑے۔''

''میں تمہیں ایک نصیحت کروں' ماہر؟'' بیر بل نے موبائل جیب میں ڈالا اور پیرز مین پہ اتارے۔ ''جب ہم کسی کو دھوکہ دیتے ہیں' تو ہم اسے ڈیچ (مسخ) کر دیتے ہیں۔ اگلے ملنے والے شخص کے لیے۔ کبھی نہ کبھی اس لڑکی کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ اور وہ ساری عمر اپنے مسخ ہونے کو ماہر فرید کے نام کے ساتھ جوڑے رکھے گی۔''

ماہر نے پلٹ کے اسے دیکھا اور زخمی سا مسکرایا۔

''دیکھو مجھے کون نصیحت کر رہا ہے۔ وہ آدمی جو کیک بناتا ہے۔''

بیر بل فرید کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔

''ماہر بے.... کیکس خاندانوں کو جوڑتے ہیں۔ ان کے گرد ساری فیملی اکٹھی ہوتی ہے برتھ ڈے ہو' شادی ہو یا جنازہ۔''

''جنازوں پہ کیک نہیں ہوتے' بیر بل۔''

''پانچ دس سال میں ہوں گے۔ دنیا بدل رہی۔ سب کچھ نارملائز ہو رہا ہے۔'' وہ پیر پٹخ کے باہر نکل گیا۔ ماہر جانتا تھا کہ اسے باہر نکالنے کا یہی طریقہ تھا۔ البتہ اس کی باتوں نے مالک پہ اثر کیا تھا۔ اس نے ٹیب کی اسکرین بجھا دی اور سنجیدگی سے کھڑکی میں کھڑے ماہر کو دیکھا۔

''شاید بیر درست کہہ رہا ہے۔ تمہیں انتقام کے اس جنون سے نکل جانا چاہیے۔ تم ساری عمر اس گلٹ کے ساتھ نہیں رہ سکو گے کہ تم نے کسی لڑکی کا دل دکھایا ہے۔''

''لڑکیوں کے دل جڑ جاتے ہیں۔ اس کی فکر مت کرو۔ تم بتاؤ... تمہیں بدلے میں مجھ سے کیا چاہیے۔''

بالآخر وہ مالک کی طرف گھوما تو اس کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''مجھے؟''

''ہاں۔ تمہیں۔ کیونکہ تمہارا ہر کام میں ایک چھپا ہوا ایجنڈا ضرور ہوتا ہے۔''

صوفے پہ بیٹھا مالک بالآخر مسکرایا۔ ''میں ایک بزنس مین ہوں' ماہر۔ میں اپنے فائدے کے بغیر کوئی کام نہیں

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

کرتا۔اور میرے بغیر تم اس لڑکی کی زندگی میں کسی گارڈ کو داخل نہیں کر سکتے۔''

ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔وہ بس سنجیدگی سے مالک کو دیکھ رہا تھا۔

''تم جو کہو گے' ویسا ہی ہوگا۔لیکن تمہیں میرے ساتھ ایک ڈیل کرنی ہوگی' ماہر۔''

مالک اپنی جگہ سے اٹھا اور قدم قدم چلتا ماہر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ان دونوں کے قد ایک برابر تھے۔اور چہرے کے نقوش بھی ملتے تھے۔البتہ مالک کے چہرے پہ نرمی تھی۔اور ماہر کے چہرے پہ شک اور بے اعتباری۔

''یعنی تمہیں میرا یقین نہیں ہے؟تم صرف اپنی بات منوانے کے لیے میری مدد کر رہے ہو۔''

''ہاں ماہر۔مجھے تمہارا یقین نہیں ہے۔لیکن میں پھر بھی تمہاری مدد کروں گا۔''اس نے ماہر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا جسے ماہر نے کندھا پیچھے کر کے جھٹک دیا۔مالک کے چہرے پہ ایک زخمی سا تاثر ابھرا لیکن وہ اسے دبا گیا۔

''ہم یہ سب دو ماہ تک کریں گے۔اگر اس کے بعد بھی ہمیں کچھ نہ ملا تو.... ''اس نے وقفہ دیا۔''تو تم گھر واپس آ جاؤ گے۔''

ماہر کی آنکھوں میں شک کے ساتھ ساتھ تکلیف بھی ابھری۔

''اگر یہ کھیل ناکام ہو گیا تو تم اپنی کمپنی بند کر کے ہولڈنگ میں واپس آ جاؤ گے اور اپنی سیٹ سنبھال لو گے۔''

''اگر میں ایسا نہ کروں؟''

''ٹھیک ہے۔پھر جاؤ۔اور جیسا کہ میر نے کہا۔اس سے بات کرو۔لیکن ایک حقیقت ہم دونوں جانتے ہیں۔کہ ماہر فرید پہ کوئی یقین نہیں کیا کرتا۔''

ماہر کچھ نہیں کہہ سکا۔بس لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔پھر اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''اگر مجھے کچھ نہ ملا... تو میں واپس آ جاؤں گا۔''

مالک مسکرا دیا۔پھر اس نے ٹیب روشن کیا۔اب کے وہ بولا تو آواز سپاٹ تھی۔

''چند لوگ ہیں جن کو ہم خرید کے یہ کام کروا سکتے ہیں۔صفورا کا شوہر ایک پرائیوٹ گارڈز کی ایجنسی کے ساتھ کام کرتا ہے۔یعنی کسی کو گارڈ یا فلپینو میڈ وغیرہ چاہیے ہو تو وہ مہیا کروا دیتی ہے۔ہم اس ایجنسی کے مینیجر کو بھی خرید سکتے ہیں یا کسی گارڈ کو بھی۔ایک نوجوان ہے سفیان۔مالی کسمپرسی کا شکار ہے۔اچھا آپشن ہے۔''وہ رکا اور اگلا نام پڑھا۔

''ایک صفورا کا کزن ہے کیف جمال۔ایک اس کے شوہر کا بھائی ہے خالد وزیر.....''

www.facebook.com/nemrahahmed.official

''کیف جمال'' وہ ایک دم بولا۔ ''میں اس کو ہائر کروں گا۔''

مالک نے چونک کے سر اٹھایا۔ ''مگر اس کی پروفائل میں کچھ بھی متاثر کن نہیں ہے۔ ٹپیکل لوزر۔ بے روزگار۔''

''میں قدر پہ یقین رکھتا ہوں۔ قدر کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اس کو کال کرو اور ہاں...'' وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''اس سے کہنا تم میرے مینیجر ہو۔''

مالک کے کان سرخ ہوئے۔

''میں تمہارا مینیجر نہیں ہوں' ماہر بے۔''

''کیوں؟ اگر میں ہولڈنگ میں واپس آیا تو ہر کوئی اپنی اصل پوزیشن پہ آ جائے گا۔ میں سی ای او ہوں گا اور تم میرے ماتحت۔ یہ وہ جگہیں ہیں جو میرے باپ نے طے کی تھیں۔''

وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا طنزیہ مسکراہٹ سے مالک کو دیکھ رہا تھا۔ مالک نے جیسے بہت ضبط کے ساتھ گہری سانس بھری۔

''ٹھیک ہے۔ جو تم کہو۔ میں صبح اس لڑکے کو کال کروں گا۔ لیکن ہم کسی اور کو بھی ہائر کر سکتے ہیں۔''

''ہم اسی کو ہائر کریں گے۔''

لیکن مالک کو وہ نوجوان پسند نہیں آیا تھا۔ اگلی صبح جب وہ ماہر سے ڈیل طے کر رہا تھا' مالک صوفے پہ بیٹھا بے زاری سے پہلو بدل رہا تھا۔ کچھ ناقابلِ اعتبار سا تھا کیف جمال کے بارے میں۔ وہ انہیں دھوکہ دے گا' مالک کو یقین تھا۔

جب ماہر نے کیف جمال کے تمام سوالات کا جواب دے دیا' اس کو یہ بھی بتا دیا کہ اس نے اسے کیوں ہائر کیا تھا' اور کیف جمال خاموشی سے رقم کا پیکٹ اٹھا کے وہاں سے نکل گیا' تو بیربل اپنی جگہ سے اٹھا اور میز پہ رکھا آخری ان چھوا کافی کپ اٹھا کے ماہر کے پاس آیا۔

وہ دونوں اب کھڑکی کے سامنے کھڑے تھے۔ ایک طرف سوئیٹ تھا اور دوسری طرف شیشے سے نظر آتا روشن شہر۔

موم بتیاں ابھی تک جل رہی تھیں اور لیونڈر اور موتیے کی خوشبو ویسی ہی پھیلی تھی۔ گو کہ ان کی حسِ مشامہ اب سن ہو چکی تھی۔

''تمہاری کافی۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ بیر بل نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''تم ابھی سے گلٹ محسوس کر رہے ہو ماہر۔ آگے کیا کرو گے؟''

وہ خاموش رہا۔

''تم نے کیف جمال کو سب کچھ سچ سچ کیوں بتا دیا؟ کیا ضروری تھا اسے بتانا کہ ہم کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔''

ماہر نے اپنا چہرہ بیر بل کی طرف موڑا اور اب کے وہ مسکرایا تو اس میں تکلیف بھی تھی اور اداسی بھی۔

"''تم نے کل رات کہا تھا کہ یہ دھوکہ کبھی نہ کبھی کھل جائے گا۔ ایک دن آئے گا جب وہ کیف جمال کی اصلیت جان جائے گی اور پھر اسے کٹہرے میں کھڑا کر کے پوچھے گی کہ اس نے یہ کیوں کیا۔''

''تم چاہتے ہو اس وقت کیف جمال اسے سچ بتا دے؟ کہ ماہر فرید اس کی حفاظت کرنا چاہتا تھا؟''

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جو نوجوان ہم سے پیسے لے کر اپنی کزن اور اس کی دوست کو دھوکہ دے رہا ہے' وہ سچ کبھی نہیں بولے گا' ماہر۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے تمہیں ولن بنا کے پیش کرے گا۔ یہ وہ آدمی کہہ رہا ہے جو کیکس بناتا ہے۔''

''میں نے کہا نا' مجھے ایک چانس لینا ہے۔''

''مالک سمجھتا ہے تم یہ سب انتقام کے لیے کر رہے ہو۔ یا شاید اس لاحاصل تلاش کے لیے.... لیکن میں تمہیں جانتا ہوں' ماہر۔ تم یہ اس لڑکی کے لیے کر رہے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو ہماری ماں کے ساتھ ہوا تھا۔''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ کھڑکی سے باہر پھیلے روشن دان کو دیکھ رہا تھا۔

''لیکن جو تم کر رہے ہو وہ غلط ہے۔'' بیر بل اس کے ساتھ کھڑا باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور ایک دن وہ لڑکی دنیا میں سب سے زیادہ نفرت ماہر فرید سے کرے گی۔''

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اب وہ فریب کے اس کھیل کو شروع کر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب ہم ڈیڑھ ماہ بعد مئی کی آخری دوپہروں میں سے ایک میں واپس چلتے ہیں جب کشمالہ مبین' بیر بل فرید سے ملاقات کے بعد وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ اس کا رخ لفٹ کی طرف تھا۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

وہ سیاہ ہیلز سے چلتی ہوئی راہداری میں آگے بڑھنے لگی۔ فرش سیاہ اور سفید ٹائلز سے مزین تھا۔ شطرنج کی بساط جیسا۔ وہ اس بساط پہ عین لفٹ کے سامنے آرکی۔ اسی پل لفٹ کے دھاتی دروازے ہسس کی آواز کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

اندر کیف کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' لب بھینچے' وہ آنکھوں میں ایک ساتھ بہت سے تاثرات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ بالکل ششدر رہ گئی۔

کیف ویسا ہی لگ رہا تھا جیسا ہمیشہ لگتا تھا۔ سیاہ جینز پہ سفید شرٹ پہنے' ماتھے پہ آگے کو گرتے بال اور بڑھی ہوئی شیو۔ لیکن اس کے چہرے پہ کچھ ایسا تھا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔ شکوہ' بے اعتباری۔

وہ سفید جوگرز سے چلتا اس کے عین سامنے آرکا۔ وہ لفٹ میں سوار نہیں ہوئی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''یہی سوال آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔ کہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

وہ دونوں راہداری میں تنہا تھے۔ شطرنج کی بساط پہ آمنے سامنے۔

''میں ماہر فرید سے ملنے آئی تھی۔ اور تم؟'' وہ سکون سے بولی۔ اس نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔

''مجھے بھی انہوں نے ہی بلایا تھا۔ لیکن صبح سے آپ کا آف موڈ دیکھ کے میں نے بات کرنے کی ہمت نہیں کی۔ لیکن ماشاءاللہ انہی لوگوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی ملاقات جاری ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے' میں آپ کا باڈی گارڈ ہوں۔'' وہ غصے میں نہیں تھا۔ وہ شاکی انداز میں ہر لفظ پہ زور دے کر کہہ رہا تھا۔

''باڈی گارڈ ہو۔ بے بی سٹر نہیں۔ اور تمہیں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کال کر لیتے۔''

''آپ یوں کیسے ان لوگوں سے ملنے آسکتی ہیں جن کو آپ اپنا تعاقب کار سمجھتی ہیں؟''

''میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔'' مالا کا لہجہ سپاٹ تھا۔ البتہ وہ اتنی پرسکون نہیں تھی جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی۔

''مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیا؟'' کیف نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ سیاہ لباس والی لڑکی کے کانوں میں پہنے سیاہ پتھر چمک رہے تھے۔

''مطلب؟'' وہ مڑ کے لفٹ کا بٹن دبانے لگی۔

''آپ صبح سے مجھ سے اُکھڑی اُکھڑی سی ہیں۔''

''تم اتنے اہم نہیں ہو' کیف۔ میری زندگی میں اور بہت سے مسئلے ہیں۔ مجھے کہیں پہنچنا ہے۔ اگر تم آرہے ہو تو

www.facebook.com/nemrahmedofficial

ٹھیک' نہیں تو میں جاؤں؟'' وہ گردن اٹھا کے ایل ای ڈی اسکرین پہ لفٹ کے فلورز دیکھنے لگی۔ چھے۔ پانچ۔ وہ نیچے آ رہی تھی۔

''کیا ملا آپ کو ماہر فرید سے مل کے؟''

''اس کا بھائی ملا تھا۔ اس کا کہنا ہے وہ میرا تعاقب کار نہیں ہے۔ نہ وہ سگریٹ پیتا ہے۔ اس کے پاس لائٹر نہیں ہوتا۔''

لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ اندر داخل ہوئی۔ کیف بھی ساتھ ہی اندر آیا۔ دونوں نے اکٹھے بٹن پہ ہاتھ رکھنا چاہا۔ ہاتھ ٹکرائے تو مالا نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور گردن اس کی طرف سے موڑ لی۔

''کیا معلوم ماہر فرید کا بھائی جھوٹ بول رہا ہو۔''

''مجھے اس لڑکے کو دیکھ کے لگا کہ ایسے لوگ میرے تعاقب کار نہیں ہو سکتے۔''

پھر کشمالہ نے چہرہ موڑ کے کیف کو غور سے دیکھا۔ ''کیا تمہیں ایسا لگتا ہے؟''

وہ دونوں لفٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ اور ان کی سواری نیچے جا رہی تھی۔

(میں اس کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔)

''مجھے نہیں معلوم۔ لیکن آپ نے انٹرنیٹ پہ پڑھا تھا کہ وہ سائیکو پیتھ ہے۔ ظاہر ہے وہی آپ کا تعاقب کار ہے۔''

(میرا اس لڑکی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ نہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں نہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔)

''اور... لوگ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اس نے اپنے باپ کو مارا ہے۔ ایسا آدمی خطرناک ہو سکتا ہے۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

(اس کا دشمن کوئی اور ہے۔ وہی جو میرا بھی دشمن ہے۔)

''آپ آئندہ ماہر فرید یا اس سے منسلک کسی شخص کے قریب نہیں جائیں گی۔ کیونکہ یہ لوگ خطرناک ہیں۔''

''میں اپنے لیے فیصلے خود لے سکتی ہوں' کیف۔'' لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ سن گلاسز پہنتی باہر نکلی۔ آگے بھی سیاہ سفید مرمریں راہداری تھی۔ لیکن یہ بالائی منزل سے زیادہ روشن تھی کیونکہ لابی کی طرف سے دھوپ آ رہی تھی۔

''یعنی اب آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

سیاہ ہیلز شطرنج کے فرش پہ رک گئیں۔ دل بھی ایک دم تھم سا گیا۔

''آپ دن کی روشنی میں اپنے تعاقب کار سے ملنے جا سکتی ہیں۔ یعنی آپ کو اس سے ڈر نہیں لگتا۔'' وہ پیچھے کھڑا کہہ رہا تھا۔ مالا اس کی طرف پشت کیے ساکت کھڑی تھی۔ وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتی تھی۔

''اس لیے میں اس جاب سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔''

کسی نے مالا کے دل کو مٹھی میں دبا کے اتنے زور سے بھینچا کہ اسے لگا اندر ہی اندر خون نکلنے لگا ہے۔

وہ آہستہ سے کیف کی طرف پلٹی۔ وہ اس سے تین چار گز کے فاصلے پہ کھڑا تھا۔ وہ سایے میں تھا۔ شیشے کی دیوار سے آتی دھوپ مالا کی پشت پہ تھی۔

''میں مزید آپ کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔'' بڑھی شیو والا نوجوان سفید جوگرز سے قدم قدم چلتا اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دکھ۔ صرف دکھ۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم جاب چھوڑ دو۔'' مالا کی آواز دھیمی ہوئی۔

''آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔ اور اب آپ اپنے تعاقب کار سے میٹنگ بھی اکیلے کر سکتی ہیں۔ براوو (Bravo)۔''

کیا وہ مذاق کر رہا تھا؟ یا شکوہ کرتے ہوئے جتا رہا تھا؟ نہیں۔ وہ چونکی۔ وہ سنجیدہ تھا۔

''جیسے آپ اعتبار ٹوٹنے پہ لوگوں کو خود سے دور کر دیتی ہیں، ویسے ہی میری بھی ایک عادت ہے۔'' وہ اس کے عین سامنے آ رکا۔ سفید جوگرز اور سیاہ ہیلز کے درمیان چند قدم کا فاصلہ تھا۔

''میں لوگوں کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ اچھی یا بری، یہ میری عادت ہے۔ جب مجھے کوئی خود سے دور کرے تو میں راستہ بدل لیتا ہوں۔ آپ مجھ پہ اعتبار نہیں کرتیں ورنہ مجھے ساتھ لے کر جاتیں۔''

اس نے تردید نہیں کی۔ بس اس کا چہرہ دیکھے گئی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ جاب چھوڑ سکتا ہے۔

''جاب چھوڑو گے تو کیا کرو گے؟''

وہ تلخی سے مسکرایا اور سر جھکایا۔ سفید جوگر سے فرش کو مسلا۔ چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا تو آنکھوں کا وہ دکھ عنقا ہو گیا تھا۔ اب وہ نارمل تھا۔

''میں اپنا بزنس پلان بناؤں گا۔ پندرہ جولائی کو ایک کمپیٹیشن ہے۔ میں اس میں حصہ لے رہا ہوں۔ مجھے اپنے بزنس کو منوانے کے لیے اس مقابلے کو جیتنا ہے۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''اور اپنے قرضے کیسے اتارو گے؟''

''ابا کا ایک پلاٹ کافی عرصے سے بک نہیں رہا تھا۔کل اسے بیچ دیا ہے۔ بیانہ مل گیا ہے۔''اس نے جیب تھپتھپائی اور مسکرایا۔

(یعنی بٹوے میں پیسے پلاٹ کے بیانے کے تھے؟ کیا وہ سچ کہہ رہا تھا یا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں نے اس کا بٹوہ کھولا ہے؟) وہ فیصلہ نہیں کر سکی لیکن اس کے کندھوں سے ایک دم منوں بوجھ اتر گیا۔اسے کیف پہ پھر سے اعتبار کرنے کے لیے ایک بہانہ چاہیے تھا۔

''اور تم روز کئی گھنٹے اپنے پلان پہ کام کر رہے تھے' اس کا کیا؟''

''میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ صفورا کی طرح مجھے لوزر سمجھیں۔میں نے ڈیسک لینے کے باجود کام نہیں کیا۔میں procastinate کر رہا تھا کیونکہ آپ کی جاب کی وجہ سے میں تھک جاتا تھا۔اس لیے گھر جا کے سو جاتا تھا۔''وہ قدرے ندامت سے بولا۔

''گھر؟''

''جی وہ... زارا کے والد کا اپارٹمنٹ ہے گلبرگ میں۔وہ مجھے پسند نہیں کرتے اس لیے... خیر...''اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اُف۔وہ اس کی بیوی کا اپارٹمنٹ تھا اور وہ اسے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ سسرال میں رہ رہا ہے؟ کتنا بہتر ہوتا کہ وہ اس سے پوچھ لیتی۔وہ اسے صاف صاف بتا دیتا۔اسے کیف کا بٹوہ نہیں کھولنا چاہیے تھا۔اور... اسے یاد آیا... اس کے پاس کیف کا کی کارڈ تھا۔وہ اسے کیسے واپس کرے؟ مالا کو شرمندگی سی ہونے لگی۔

''اگر تم اپنے بزنس کے لیے میری جاب چھوڑ رہے ہو تو مجھے کوئی شکوہ نہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔''میں کامیاب ہو جاؤں گا۔مجھے معلوم ہے۔''

وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔شطرنج کی بساط پہ وہ دونوں تنہا تھے۔اور کھیل ختم ہو چکا تھا۔کس نے کس کو شہہ مات کیا تھا' اسے نہیں معلوم تھا۔خود کیف کو بھی نہیں معلوم تھا۔

''آپ کا شکریہ' کشمالہ بی بی۔آپ نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔''اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکا۔بس مالا کے ایک طرف سے نکل کے آگے بڑھ گیا۔

www.facebook.com/nemrahahmed.official

مالا اسے دیکھنے کے لیے پوری گھوم گئی تو دوسری جانب سے آتی دھوپ تیزی سے چہرے پہ پڑی۔اے سی کی ٹھنڈ کی وجہ سے دھوپ میں تپش نہیں تھی۔لیکن آنکھوں کو وہ اسی طرح چندھیا گئی۔

وہ وہیں دھوپ میں نہائی سیاہ سفید راہداری میں کھڑی دور جاتے کیف کو دیکھے گئی۔

وہ پینٹ سپلائیز خرید کے گھر واپس آئی تو سلیم لان میں کیف کی کرسی پہ بیٹھا تھا۔وہ کار سے نکلی اور ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اسے دیکھا۔

''تم ادھر کیوں بیٹھے ہو؟''

سلیم نے چہرہ اٹھا کے اسی بسوری ہوئی شکل کے ساتھ اسے دیکھا۔

''کیونکہ کیف نوکری چھوڑ کے چلا گیا ہے۔''ساتھ ہی وہ گردن بھی سہلا رہا تھا۔''تمہیں کیسے معلوم۔''

''وہ اپنا سامان لینے آیا تھا۔لے کر چلا گیا۔''

وہ چند منٹ وہیں کھڑی رہی۔دل ایک دم خالی ہو گیا تھا۔غائب دماغی کی کیفیت کے ساتھ وہ اندر واپس آئی۔

ماں بیڈ پہ لیٹی تھیں۔ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ تکیوں کے سہارے بیٹھی ماہی سے ویڈیو کال کر رہی تھیں۔اسے دیکھ کے چہک اٹھیں۔

''آ گئی میری بیٹی؟اچھا یہ جرابیں تو اتار دو۔معید بار بار پہنا دیتا ہے۔مجھے گرمی ہو رہی ہے۔مالا سن رہی ہو۔''

''جی۔اتارتی ہوں۔''معید نے کچھ کہا تھا ان جرابوں کے بارے میں مگر اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔وہ ماں کے قدموں میں بیٹھی۔سر جھکائے اس نے پائینچے اوپر کیے۔تنگ سفید جالی دار جرابیں پتہ نہیں کیوں معید ماں کو پہنا دیتا تھا۔اس نے جرابیں اتاریں اور ان کو سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔اگر وہ اہم ہوئیں تو معید خود ہی ان کو دوبارہ پہنا دے گا۔جرابوں کا ماں کی سرجری سے کیا تعلق؟

وہ صوفے پہ بیٹھ کے ہیلز اتارنے لگی۔ماں موبائل پہ ماہی سے ویڈیو کال کیے گئیں۔

اتنے میں بخت بی لانڈری والے کپڑے لیے باتھ روم سے نکلی۔پھر ماں کے بیڈ کے ساتھ رکی' سائیڈ ٹیبل پہ رکھی جرابیں اٹھائیں اور ٹوکری میں ڈال کے باہر نکل گئی۔

اسے نہیں اندازہ تھا کہ وہ ماں کو موت کے منہ میں دھکیل رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف اپارٹمنٹ کی کھڑکی کے سامنے کرسی پہ بیٹھا تھا۔وہی کرسی جس پہ چند گھنٹے قبل بیٹھا مالک اسے استعفیٰ دینے

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

کا حکم دے رہا تھا۔ اس کے ذہن کے پردے پہ وہ منظر ابھرا۔

''میں رات سے پہلے استعفیٰ دے دوں گا۔'' اس نے مالک سے وعدہ کیا تھا۔

''استعفیٰ دے کر تم اس لڑکی کی زندگی سے نکل جاؤ گے۔ تم مجھے اپنی زبان دے رہے ہو۔ کیونکہ... اس کو تم پہ شک پڑ گیا ہے۔''

وہ بری طرح چونکا اور کرسی پہ بیٹھے مالک کو دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

"پی ٹی اے میں جب کوئی ایمپلائی اپنا ایکسس کوڈ استعمال کر کے کسی کا ڈیٹا نکلواتا ہے' تو اس ایمپلائی کا کوڈ ریکارڈ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے اس نمبر کو زیرِ نظر رکھا ہوا تھا۔ حال ہی میں تمہارے نمبر کا ڈیٹا نکلوایا گیا ہے۔''

''اس بات کا کشمالہ سے کیا تعلق؟''

"جس آفیسر نے ڈیٹا نکالا ہے' وہ کشمالہ کا کلاس فیلو تھا۔ دونوں نے ساتھ یونیورسٹی سے گریجوئیٹ کیا تھا۔ اور اب..." مالک مسکرایا۔ ''تمہاری لڑکی کو معلوم ہے کہ تم اس اپارٹمنٹ میں رہتے ہو۔''

اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب پہ رینگ گیا۔ مالا نے اس کو پانی لینے بھیجا اور پیچھے سے اس کا والٹ کھولا۔ اسمارٹ۔ لیکن اسے مالا کو کوئی توجیہہ تھمانی ہوگی۔ ان نوٹوں کی۔ اور اس اپارٹمنٹ کی۔ وہ عزت سے اس کی زندگی سے نکلنا چاہتا تھا۔

ہوٹل لابی میں کشمالہ سے مل کے اس نے اپنی طرف سے سارے جھول دور کر دیے تھے لیکن دل ایک دم خالی ہو گیا۔ وہ مالک کی باتوں میں کیوں آ رہا تھا؟ یہ اس کی زندگی تھی۔ وہ چاہے تو... نہیں۔ اس نے سر جھٹکا۔

یہ ایک جھوٹی زندگی تھی۔ ایک دھوکہ۔ وہ مزید اس لڑکی کے ساتھ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں کا کوئی مستقبل نہیں تھا۔ اسے اس کی زندگی سے دور جانا تھا۔ مالک ٹھیک کہہ رہا تھا۔ محبت میں گرفتار ہوا مرد کسی کام کا نہیں رہتا۔

وہ مبین منزل پہنچا تو عصر کی اذانیں ہو رہی تھیں اور آسمان پہ سیاہ بادل جمع ہو رہے تھے۔ مالا ابھی گھر نہیں آئی تھی۔ وہ پینٹ سپلائیز لینے گئی تھی۔

کیف نیچے بیسمنٹ کی گیلری تک آیا۔ سلیم اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ کیف اسے گھورتے ہوئے آگے آیا' اور اس کو گردن کے پیچھے سے دبوچ لیا۔ اس سے پہلے کہ ہکا بکا سلیم مزاحمت کرتا' وہ اسے گدی سے پکڑے دھکیل کے اندر لے گیا اور دروازہ بند کیا۔

www.facebook.com/nemra.ahmed.official

''میری شکایتیں لگاتے رہے ہو مالا بی بی سے' ہاں؟'' اس کے کان کے قریب ہو کے وہ غرایا۔ گردن ویسے ہی دبوچ رکھی تھی۔

''مجھے چھوڑو کیف بھائی۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔'' سلیم ایک دم گھبرا گیا۔

''کیا کہا ہے تم نے بی بی سے؟''

''مالا باجی سے کچھ نہیں کہا میں نے۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا تو کیف نے جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ تیزی سے کمرے کے دوسرے کونے میں جا کھڑا ہوا اور گردن سہلاتے ہوئے آنکھوں میں خوف لیے اسے دیکھا۔ اس نے کیف کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

''پھر کس سے کہا ہے؟'' کیف غراتے ہوئے قریب آ رہا تھا۔

''وہ... وہ معید بھائی آئے تھے اس دن تمہارے کمرے میں۔'' کیف رک گیا۔ ''انہوں نے جا کے اوپر مالا باجی سے کہا کہ... کہ کیف کا ٹوتھ برش بھی نہیں ہے یہاں۔ وہ یہاں نہیں رہتا۔ وہ کہاں جاتا ہے۔ اوپر کچن میں وہ بات کر رہے تھے۔ میں نے اتنا ہی سنا ہے۔''

(اُف۔ بلڈی توتھ برش)

''میں پوچھ رہا ہوں تم کیا کہتے رہے ہو میرے بارے میں۔''

''کچھ نہیں کہا۔ ماہی باجی پوچھ رہی تھیں اس دن تمہارے بارے میں۔ قسم لے لو میں نے کچھ نہیں کہا۔''

''تم نے خود بتایا ہوگا۔ وہ کینیڈا میں ہوتی ہے۔ اسے کیا پتہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

سلیم نے گردن سہلاتے ہوئے اسے ناراضی سے دیکھا جیسے یہ بات بہت بری لگی ہو۔

''انہیں سات سمندر پار رہ کے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے ہر گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ ہاں جی۔''

اس سے بات کرنا فضول تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ گیلری سے اپنے کمرے کی طرف جاتے اس نے سلیم کی آواز سنی۔ ''ماہی باجی کو سب کی خبر ہوتی ہے اچھا۔''

اس کے کمرے میں کچھ تھا ہی نہیں جو اسے اٹھانا تھا۔ ایک نظر اس جگہ کو دیکھ کے وہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا آیا۔ مالا کے آنے تک اسے اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہ ایک آخری دفعہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن لان میں آتے ہی وہ ایک دم ٹھٹک کے رکا۔

مالا کے کمرے کی دیوار گیر کھڑکی کھلی تھی۔ جس کی وجہ سے ہوا کے لیے کھول دی گئی تھی۔ اندر حورِ جہاں کا بیڈ لگا

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

نظر آ رہا تھا۔ ساتھ کرسی پہ ایک ادھیڑ عمر خاتون بیٹھی مسکراتی ہوئی ان سے محوِ گفتگو تھیں۔ وہ وہیں رک کے انہیں دیکھنے لگا۔ وہ انہیں پہچانتا تھا۔ یہ زیاد کی والدہ تھیں۔

وہ حورِ جہاں سے کوئی بات پوچھ رہی تھیں۔ دفعتاً کھڑکی پہ نظر پڑی تو اسے دیکھ کے مسکرا دیں۔

''بیٹے مجھے جائے نماز تو لا دو۔ آپ سے کہہ رہی ہوں سلیم بیٹا۔''

کیف نے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر اپنی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ غالباً حورِ جہاں نے انہیں کہا تھا کہ سلیم سے کہہ دے جائے نماز لانے کو۔ معید نہ جانے کہاں تھا۔ اور سلیم نیچے اپنی گردن سہلا رہا تھا۔ کیف نے گہری سانس لی اور گھر کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ معلوم تھا اندر آنے پہ اس کی بے عزتی ہونی ہے۔ لیکن چلو۔ ایک آخری دفعہ سہی۔

لاؤنج سے اس نے جائے نماز اٹھائی اور مالا کے کمرے کی طرف آیا۔ دستک دے کر دروازہ کھولا۔

وہ دونوں خواتین کسی بات کے درمیان میں تھیں۔ حورِ جہاں مسکرا رہی تھیں اور نگینہ بیگم جوش سے کہے جا رہی تھیں۔

''بس اب میں مزید دیر نہیں کرنا چاہتی۔ آپ مالا کا ہاتھ میرے زیاد کے ہاتھ میں دے دیں۔ میرا بیٹا بہت سلجھا ہوا، بہت نیک اور تابعدار ہے۔ وہ آپ کی بیٹی کو بہت خوش رکھے گا۔'' وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کہہ رہی تھیں۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ پھر کھنکھار کے آگے آیا اور جائے نماز ان کے ساتھ رکھی۔ نگینہ بیگم نے پلٹ کے اسے دیکھا اور مسکرائیں۔ ''شکریہ بیٹے۔''

''سلیم مصروف تھا اس لیے میں آ گیا۔'' اس نے محتاط لہجے میں کہتے ہوئے حورِ جہاں کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے نگینہ کی بات پہ غور کر رہی تھیں۔ اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ یا شاید نظر انداز کر گئیں۔ کیف واپس پلٹ گیا البتہ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

''میں مالا سے بات کروں گی، نگینہ۔ زیاد جیسے لڑکے تو پھر لاکھوں میں ایک ہوتے ہیں۔'' وہ خوش تھیں۔ وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔ ایک دم اس کے دل پہ کسی نے زور کا گھونسا مارا تھا۔ اتنے زور کا کہ سانس بند ہونے لگا تھا۔

وہ مالا سے ملنے آیا تھا۔ ڈھنگ سے خدا حافظ کہنے۔ لیکن اب وہ اس کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ بخت بی کو کچن میں دیکھ کے وہ رکا۔ اور دھیمی آواز میں بولا۔

www.facebook.com/nemra.ahmed.official

''میں جا رہا ہوں۔کل سے کام پہ نہیں آؤں گا۔''

وہ ہیں ہیں کرتی رہ گئیں مگر کیف باہر نکل چکا تھا۔اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور سر درد کرنے لگا تھا۔

وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ میں واپس آیا تو ریسپشن پہ رکا۔وہاں موجود لڑکی اب بدل چکی تھی۔اسے اپنے اپارٹمنٹ کا لاک تبدیل کروانے کا کہہ کے وہ اوپر آ گیا۔

اپارٹمنٹ میں آ کے اس نے بتیاں نہیں جلائیں۔مغرب کے اترتے ہی اندر اندھیرا بڑھنے لگا تھا لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آیا۔اور وضو کر کے اسی اندھیر ماحول میں نماز ادا کی۔پھر تسبیح ہاتھ میں لیے وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی پہ جا کے بیٹھ گیا جہاں چند گھنٹے قبل مالک بیٹھا تھا۔

تب سے اب تک وہ وہیں بیٹھا تھا۔اندھیرا بڑھتے ہی سڑک پہ رواں دواں ٹریفک روشن ہونے لگی۔اس نے تسبیح کے دانے گرانے کی کوشش کی لیکن دل نہیں لگ رہا تھا۔وہ وہیں بیٹھا بس خاموشی سے نیچے گزرتے ٹریفک کو دیکھے گیا۔

زیادہ دیر نہیں گزری جب صبح سے اکٹھے ہوئے سیاہ بادل بالآخر برسنے لگے۔

پانی دھاروں کی صورت اپارٹمنٹ بلڈنگ سے ٹکرانے لگا۔ایسی تیز بوچھاڑ تھی کہ خدا کی پناہ۔

وہ اپنی زاروقطار روتی ہوئی کھڑکی کو دیکھے گیا۔بالکل خاموشی سے۔اسے کچھ دیر ایک ایسے تعلق کے ٹوٹنے کا سوگ منانا تھا جو کبھی بنا ہی نہ تھا۔اور پھر....اس نے گردن موڑ کے میز پہ بکھری چیزوں کو دیکھا۔پھر اسے اپنے کام میں مصروف ہو جانا تھا۔

آج کی رات ...سوگ کے نام۔

یہی بارش مبین منزل کی کھڑکیوں پہ بھی برس رہی تھی۔سیاہ سفید لباس والی لڑکی اسٹوڈیو کی کھڑکی میں بیٹھی، دیوار سے سر ٹکائے، شیشے پہ پڑتی پانی کی بوندوں کو دیکھ رہی تھی۔کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے جن سے ماہی کی آواز سماعتوں میں اتر رہی تھی۔

''ماں کہہ رہی تھیں آج نگینہ آنٹی آئیں اور انہوں نے تمہارا رشتہ مانگا۔''

مالا کھڑکی کے شیشے پہ لڑھکتے قطرے دیکھ رہی تھی۔جب کوئی قطرہ نیچے گر کے فنا ہو جاتا تو وہ پلکیں اٹھا کے کسی دوسرے قطرے کا تعاقب کرنے لگتی۔

''ہاں میں نے سنا تھا۔''وہ یوں بولی جیسے عام سی بات ہو۔

www.facebook.com/nemrahahmedofficial

''تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟''

''نہیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ زیاد مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔ یہ جلد یا بدیر ہونا تھا۔''

''تم زیاد کے لیے ہاں کر دو گی؟''

''ہاں۔ کیونکہ وہ ایک قابل انسان ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔''

''لیکن؟''

''میں نے لیکن نہیں کہا۔''

''تمہاری بات لیکن کی طرف جا رہی ہے۔''

''پتہ نہیں ماہی...'' مالا نے سینے پہ مٹھی رکھی۔ ''میرا دل... ایسے لگتا ہے جیسے جل رہا ہو۔ جیسے اندر آگ سی لگ گئی ہو۔''

''اور یہ کب سے ہے؟''

''جب سے کیف نے کہا کہ وہ جاب چھوڑ کے جا رہا ہے...''

''مالا...'' ماہی حق دق رہ گئی۔ ''تمہیں کیف پسند ہے؟''

''نہیں یار۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ شادی شدہ ہے۔''

''بالکل۔ کسی شادی شدہ آدمی کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ سوائے ارطغرل کے۔''

مگر مالا اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ اس کا دماغ کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔ ''میں بہت اداس ہوں۔ مجھے غصہ ہے شاید۔ اس نے کہا تھا وہ مجھے چھوڑ کے نہیں جائے گا۔ اور اب وہ ایک دم سے مجھے چھوڑ کے چلا گیا۔''

اس نے خدا حافظ کہے بنا کال کاٹ دی۔ اسٹوڈیو اندھیر تھا۔ وہ اس اندھیرے میں بیٹھی باہر گرتی بارش دیکھتی رہی۔ پھر موبائل کی اسکرین روشن کی۔ اندھیرے میں اس کا چہرہ چمکنے لگا۔

اس نے کیف کے نمبر پہ کال ملائی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے کیا کہنا تھا لیکن اسے کچھ تو کہنا تھا۔

اپارٹمنٹ کی کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھے کیف نے بیل بجنے پہ چہرہ جھکا کے موبائل کو دیکھا۔

گرین آئیز کالنگ۔ وہ اداسی سے مسکرا دیا۔ وہ لوگوں کے نام اپنے فون میں ایسے ہی محفوظ کرتا تھا۔

کیف نے گھنٹی بجنے دی۔ یہاں تک کہ وہ بج بج کے خاموش ہو گئی۔ پھر اس نے پاور کا بٹن دبا کے فون آف کر دیا۔

www.facebook.com/nemrahahmed.official

پھر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک اسی رنگ اور ماڈل کا موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ مسڈ کالز، میسیجز، نوٹیفیکیشنز کی بھرمار تھی۔ یہ اس کا دوسرا فون تھا جو اس کی اصل زندگی تھی۔ جو فون اس نے بند کیا تھا، اس میں صرف مالا اور اس سے جڑے لوگوں کے نمبر فیڈ تھے۔ یہ دونوں فون ہر وقت ایک ساتھ اس کے پاس ہوتے تھے۔ ان کے کور بھی ایک جیسے تھے۔

اسے مالا والا فون اب نہیں کھولنا تھا۔ اسے اس لڑکی سے دور رہنا تھا۔ وہ مزید اس کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے ماتھے کو ہاتھ لگایا تو محسوس ہوا اسے بخار ہو رہا ہے۔ کچھ نہ کھانے کی وجہ سے کمزوری بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھا اور لاؤنج کے تھری سیٹر پہ جا کے لیٹ گیا۔ جوتے ابھی تک پیروں میں تھے۔ وہ جوتے اتار کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا کرتا تھا کیونکہ اسے صفائی پسند تھی۔ لیکن آج اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ وہ وہیں لیٹا بارش کی شیشے سے ٹکرانے کی آوازیں سننے لگا۔ اور ان کو سنتے سنتے کب سو گیا اسے معلوم نہ ہوا۔

مالا نے اسٹوڈیو کی بتیاں روشن کیں تو ایک دم کھڑکی اندھیر نظر آنے لگی۔ باہر کا منظر سیاہ پڑ گیا۔ اب صرف کھڑکی پہ قطرے گرتے دکھائی دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ پرانے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس اسٹوڈیو کے فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔ ماتھے پہ سبز سلک کا رومال لپیٹ کے گردن پہ گرہ لگا رکھی تھی۔ سامنے پینٹ برشز اور نیا سفید پیلیٹ رکھا تھا۔

(چار ہفتوں میں صرف پینٹنگ بنائی جا سکتی ہے۔ آرٹ نہیں۔)

مالا نے سر جھکائے ٹیوب سے سفید ایکریلک پینٹ پیلیٹ پہ نکالا۔ پھر سیاہ ٹیوب اٹھائی۔ اسے آج صرف سفید اور سیاہ کو مکس کرنا تھا۔

(آرٹ بنانے کے لیے کوئی ڈیڈ لائن نہیں رکھی جا سکتی۔)

کیف کی آنکھ کھلی تو وہ صوفے پہ اوندھا لیٹا تھا۔ ایک بازو نیچے گرا ہوا تھا۔ جسم گرم اور سر بھاری ہو رہا تھا۔ بدقت وہ اٹھا اور صوفے کا سہارا لے کر کھڑا ہوا۔

(کیونکہ آرٹ خوشی سے نہیں تخلیق کیا جا سکتا۔)

فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی لڑکی اب سیاہ پینٹ کو سفید پیلیٹ پہ نکال رہی تھی۔ پھر اس نے راؤنڈ ایج برش اٹھایا اور پینٹس کو مکس کرنے لگی۔ اس کے چہرے پہ مغموم مسکراہٹ تھی۔

(نہ ہی آرٹ پیسے کمانے کے لیے ہوتا ہے۔)

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

وہ بدقت کچن تک آیا۔سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔اس نے ایک مگ کافی میکر کے نیچے رکھا۔اور کیپسول اندر ڈالا۔بٹن دبایا اور خود کچن سنک کی طرف آیا۔اب وہ گردن جھکا کے چہرے پہ پانی ڈال رہا تھا۔اندر لگی آگ قدرے ٹھنڈی ہوئی۔

(آرٹ بنتا ہے درد سے...)

مالا اب کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔برش کو کنارے سے پکڑے وہ اسے نرمی سے شیشے پہ پھیر رہی تھی۔شفاف شیشے پہ سرمئی رنگ کی پہلی اسٹروک نے جلتے دل کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

(آرٹ بنتا ہے ٹوٹے دل سے...)

وہ گیلے چہرے کے ساتھ کافی مگ اٹھائے لونگ روم میں واپس آیا۔بڑی میز کے قریب اس نے مگ رکھا۔اور کپڑا اٹھا کے ایک طرف اچھال دیا۔کپڑے کے نیچے رکھی شے اس کی منتظر تھی۔

(اس کے لیے ذہن کے تخلیقی حصے کا شور سے خالی ہونا ضروری ہے۔)

وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی بہت انہماک سے شیشے پہ بارش کے قطرے بنا رہی تھی۔

اس کا ذہن ہر قسم کی آوازوں سے خالی تھا.....

کیف نے پینٹ برش اٹھایا اور سرخ رنگ کی آئل پینٹ کی ڈبی اٹھائی۔ڈھکن کھولا تو پینٹ کی بو سارے میں پھیلنے لگی۔اس نے برش اندر ڈبویا' اور پھر جھک کے میز پہ موجود شے پہ برش پھیرنے لگا۔اس چیز کا رنگ خاکی سے بدل کے سرخ ہونے لگا۔

اس کا ذہن اب ہر قسم کے شور سے خالی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح وہ اسٹوڈیو میں کھڑی مسکرا کے اپنی پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی جو اس نے کھڑکی کے شیشوں پہ بنائی تھی۔اس کے ساتھ سبحان صاحب کھڑے تحیر سے کھڑکی کے شیشوں کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا یہ الوژن ہے؟ یا یہ واقعی...'' وہ آگے بڑھے اور پینٹ شدہ شیشے کو چھوا۔وہ خشک تھا۔مالا مسکرا دی۔

کھڑکی کے شیشے پہ ایک الوژن پینٹ کیا گیا تھا۔شفاف شیشہ مکمل طور پہ دھندلایا ہوا تھا اور اس پہ بڑے چھوٹے پانی کے قطرے تھے۔ہر قطرے کے اندر باہر کا منظر یعنی نیچے کا لان اور سامنے والے گھر نظر آ رہے تھے لیکن الٹے ہو کر۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''باہر کا منظر الٹا کیسے نظر آ رہا ہے؟'' انہوں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا دی اور شانے اچکا دیے۔

''یہ بارش کے قطرے دراصل آنسو ہیں۔ اور آنسو تب نکلتے ہیں جب ہمارا دکھ ہمیں ہماری ساری زندگی الٹا کے دکھائے۔''

''کشمالہ یہ امیزنگ آرٹ ہے۔ امیزنگ۔'' وہ خوشی سے اس کی طرف مڑے۔ ''کیا آپ یہ ہمارے ریسٹورانٹ کی گلاس وال پہ بنا سکتی ہیں؟ گلاس وال کے باہر باغیچہ ہے۔ اندر سے دیکھنے والوں کو یوں لگے گا کہ باہر بارش ہو رہی ہے۔ امیزنگ۔''

''میں بنا سکتی ہوں۔ لیکن اس میں کافی وقت لگے گا۔ میری امی بیمار ہیں تو میں صرف دن کے دو گھنٹے کام کر سکتی ہوں۔'' وہ اپنی شرائط بتا رہی تھی۔ اوشن چھوڑنے کے بعد وہ پہلا دن تھا جب مالا کو لگ رہا تھا کہ وہ پھر سے جینے لگی ہے۔ اس کی زندگی بے کار نہیں تھی۔ وہ کام کرنے لگی ہے۔ وہ پھر سے اپنا کیریئر بنا سکتی ہے۔

ماں تندرست ہو رہی تھیں اور اب سب کچھ اپنی جگہ پہ آ جائے گا۔

اس کی یہ خوشی چند گھنٹے کی مہمان رہی۔ کیونکہ دوپہر میں اسے محسوس ہوا کہ ماں کو بخار ہو رہا ہے۔ وہ سانس بھی قدرے زور سے لے رہی تھیں جیسے پھیپھڑے زور لگا رہے ہوں۔ اس نے معید کے کہنے پہ انہیں پیناڈول دے دی۔ خود وہ ساری رات کی جاگی ہوئی تھی۔ ماں کے ساتھ ہی سو گئی۔

مغرب کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو فوراً چونک کے سیدھی ہو بیٹھی۔ ماں بھی سو رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کے ماں کے ماتھے کو چھوا۔ وہ اب زیادہ گرم تھا۔ ایک ریفلیکس سیٹ ہو چکا تھا۔ ادھر ماں کو ذرا سا کچھ ہو۔ ادھر معید کو کال کی۔

''معید ماں کو بخار ہے۔''

وہ اپنے کمرے میں تھا۔ نیند میں بولا۔

''کتنا بخار ہے؟''

''مجھے کیا پتہ کتنا ہے۔''

''ڈاکٹر کو کبھی یہ نہیں بتاتے مالا کہ کسی کو بخار ہے۔ ہمیشہ یہ بتاتے ہیں کہ کتنا بخار ہے۔ تم تھرمامیٹر لگاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔''

وہ شاید ابھی ہسپتال سے آ کے سویا تھا۔ نیچے آیا تو اوٹی Scrubs میں ملبوس تھا (سرجنز کو نائٹ سوٹ سے زیادہ

www.facebook.com/nemra.ahmed.official

یہ اسکربز آرام دہ لگتے ہیں۔) معید ماں کے سرہانے جھکا اور ان کے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے محسوس کیا۔

''ایک سو دو بخار۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ پیناڈول دی تھی؟''

''ہاں اس سے کم ہوا لیکن تھوڑی دیر بعد پھر چڑھ گیا۔''

''ہوں۔'' اس نے آنکھیں ملیں اور ماں کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ان کا فربہی سفید ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ بار بار پرک کرنے سے ان کے ہاتھوں اور بازوؤں پہ نشان اب نیلے جامنی ہوتے جا رہے تھے۔ معید سوچتی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔ وہ غنودہ سی نظر آ رہی تھیں۔

انہیں کیا ہو رہا تھا؟ کل ٹیسٹ رزلٹس بھی بہتر تھے۔ انفیکشن بھی نہیں لگ رہا۔ سی ایس ایف بھی سیٹل ہو رہا ہے۔ پھر ماں کو بخار کیوں ہے؟

اور ماں کا تنفس کیوں اکھڑ رہا ہے؟

سوچتے سوچتے اس نے دوسرا ہاتھ ماں کی پنڈلیوں پہ پھیرا جو لحاف کے نیچے تھیں۔ ایک دم وہ تیزی سے جھٹکا کھا کے اٹھا۔ زور سے لحاف ہٹایا اور ماں کے پائنچے اونچے کیے۔

ان کی سفید پنڈلیاں برہنہ تھیں۔

''مالا...'' معید کا سانس رک گیا۔ ''ماں کی جرابیں کہاں ہیں؟''

''ماں تنگ ہو رہی تھیں تو میں نے اتار دیں۔''

''کب؟ کب اتاریں؟'' وہ تیزی سے پانچوں انگلیوں سے ان کی پنڈلیوں کو دبا کے کچھ محسوس کر رہا تھا۔

''دو دن پہلے۔''

معید نے چہرہ اٹھا کے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''مالا میں نے تمہیں کہا تھا وہ جرابیں نہیں اتارنی۔''

''تم نے نہیں کہا تھا۔ اور ماں کو گرمی ہو رہی تھی۔ مجھے لگا تم پہنا دو گے۔''

''مالا.. مالا...'' اس نے کراہ کے ضبط کیا۔ پھر وہ کچھ نہیں بولا۔ وہ بس وہاں سے اٹھا۔

''ان کی پنڈلیوں کو ہاتھ نہیں لگانا۔ میں آ رہا ہوں۔'' پھولتے سانس سے کہتا وہ باہر بھاگا۔

(مالا میں ماں کو یہ جرابیں پہنا رہا ہوں۔ دیکھ رہی ہو؟)

معید نے راہداری میں کھونٹی پہ لگی چابی کھینچ کے اتاری اور باہر بھاگا۔ پورچ میں کار کھڑی تھی۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ کی اور فل ریس دی۔ وہ کس اسپیڈ پہ جا رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

(یہ جرابیں نہیں اتارنی۔ یہ کمپریشن اسٹاکنگز (compression stockings) ہیں۔)

وہ کار کو بھگاتے ہوئے فارمیسی تک لایا۔ پھر اندھا دھند اندر داخل ہوا تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

(یہ خون کو گردش میں رکھتی ہیں۔ آپریشن کے بعد حرکت نہ کرنے سے ماں کی پنڈلیوں میں خون کا clot بننے کا خدشہ ہے۔)

''کلیگرین.... مجھے clexane چاہیے۔ ایمرجنسی ہے۔'' وہ آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا یا وہ چلا رہا تھا۔ اسے اپنی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ صرف فارماسیسٹ دکھائی دے رہا تھا جو تیزی سے اسے کچھ انجیکشن تھما رہا تھا۔

(کلاٹ ایک چھوٹا سا جما ہوا خون کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ پنڈلی میں بن جائے تو وہ کسی زہریلے جانور کی طرح آہستہ آہستہ اوپر جسم کی طرف سفر کرتا ہے۔)

گھر میں وہ بھاگتے ہوئے داخل ہوا۔ انجیکشن بنایا اور ماں کے قریب بیٹھا۔ مالا کچھ پوچھ رہی تھی لیکن اسے آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ کپکپاتے ہاتھوں سے ان کے جسم میں انجیکشن لگا رہا تھا۔

(یہ جما ہوا لوتھڑا جسم میں تین جگہوں پہ پھنس سکتا ہے۔ دل، دماغ اور پھیپھڑے۔)

''ماں کو فوراً ایمرجنسی میں لے کر جانا ہے۔ میں وہیل چیئر لاتا ہوں۔ تم ماں کو تیار کرو۔'' اس نے خود کو کہتے سنا اور پھر سے باہر بھاگا۔

(یہ دل میں پھنس جائے تو دل بند ہو جاتا ہے۔ دماغ میں پھنس جائے تو دماغ مر جاتا ہے۔ اور پھیپھڑوں میں پھنس جائے تو سانس بند ہو جاتا ہے۔ تینوں صورتوں میں یہ ایک ننھا سا لوتھڑا انسان کی جان لے لیتا ہے۔)

ماں نیم بے ہوش سی وہیل چیئر پہ بیٹھی تھیں۔ گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی۔ سفید چادر سر اور کندھوں کے گرد لپٹی تھی۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔ معید وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے ہسپتال کی عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ تیز تیز ساتھ بھاگ رہی تھی۔

(اس کو ایمبولزم کہتے ہیں۔ اس سے بچانے کے لیے یہ جرابیں پہنائی جاتی ہیں۔)

وہ سی ٹی اسکین روم کے باہر کھڑے تھے۔ معید ان کو سی ٹی کے تختے پہ لٹا رہا تھا۔ اسٹاف ڈائی ڈالنے کے لیے ان کے ہاتھ کی وین کو پھر سے پرک کر رہا تھا۔ ایک اور سوئی۔ ایک اور نشان۔

(ایمبولزم ایک دفعہ بن جائے تو پھر وہ انسانوں کو چند گھنٹوں میں مار دیا کرتا ہے۔ اس لیے مالا ان کی جرابیں نہیں اتارنی۔)

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

معید نے یہ سب اس وقت سوچا تھا۔ بتایا نہیں تھا۔ اس لمحے اسے احساس ہوا کہ اسے تفصیل سے ان جرابوں کا مقصد سمجھانا چاہیے تھا۔

وہ دونوں سرد کاریڈور میں باہر کھڑے تھے۔ ان کے چہرے سفید اور سانسیں اٹکی ہوئی تھیں۔

''میں اتنے سال سے میو ہسپتال میں سرجریز کا حصہ ہوں۔'' معید دیوار سے ٹیک لگائے چھت کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آج تک میرے سامنے ان گنت لوگوں کو ایمبولزم ہوا ہے۔ جانتی ہو ان میں سے کتنے لوگ بچے؟''

''کتنے؟''

معید نے نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''زیرو۔'' وہ بولا تو آواز آہستہ تھی۔ کشمالہ کا سانس وہیں اٹک گیا۔

''ایمبولزم سے کوئی نہیں بچتا' مالا۔''

''مگر... میں نے گوگل پہ پڑھا تھا کہ دو تہائی لوگ بچ جاتے ہیں۔''

''گوگل کی ہر بات پریکٹیکل نہیں ہوتی۔ میں تمہیں وہ بات بتا رہا ہوں جو حقیقی زندگی میں پیش آتی ہے۔ لوگ ایمبولزم سے نہیں بچتے کیونکہ ایمبولزم کی وقت پہ تشخیص نہیں ہو پاتی۔ ایمبولزم کی پہلی بڑی علامت موت ہے۔ اچانک سے سرجری کے بعد بندہ مر جاتا ہے۔ بس لوتھڑے کا پتہ ہی مرنے کے بعد چلتا ہے۔''

''ایسے مت کہو معید۔ اُف۔ میں نے کیوں ماں کی جرابیں اتاریں۔ مجھے واقعی یاد نہیں تھا کہ تم نے مجھے کچھ کہا تھا اس کے بارے میں۔''

''تمہاری غلطی نہیں ہے۔ مجھے بھی چیک کرنا چاہیے تھا۔ ہم ماں سے ایک لمحے کی بھی غفلت نہیں برت سکتے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے تین دن ماں کو آئی سی یو میں رکھا گیا۔ سی ٹی اسکین کے مطابق کلاٹ ان کے پھیپھڑوں میں جا کے پھنس گیا تھا۔ لیکن بروقت کلیگرین ملنے سے ان کا خون پتلا ہونا شروع ہوا۔ سی ٹی ہر روز نہیں کیا جا سکتا۔ درمیان میں گیپ دینا ضروری تھا۔ اس لیے چوتھے روز جب سی ٹی کیا گیا تو کلاٹ چھوٹا ہوتا دکھائی دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اب بہتر تھیں۔

سرجن کا کہنا تھا کہ اگر معید بروقت ماں کو کلیگرین کا انجیکشن نہ لگاتا تو یہ کلاٹ پھیپھڑوں میں پھنس کے ان کا سانس روک سکتا تھا۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''جن کے بیٹے ڈاکٹر نہیں ہوتے ہوں گے' وہ کیا کرتے ہوں گے معید؟''

وہ دونوں ماں کے بستر کے ساتھ بیٹھے تھے اور وہ پوچھ رہی تھی۔ ''ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ تم خود ماں کو مینیج کر رہے ہو کیونکہ تم سرجن ہو۔ لیکن جن کے گھر میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوتا ہوگا' وہ کتنا خوار ہوتے ہوں گے ہمارے اس ہیلتھ سسٹم میں۔''

''تم نے ابھی سرکاری ہسپتال نہیں دیکھے' مالا۔ خواری جہاں ختم ہوتی ہے' وہاں سے ہمارے ہسپتال شروع ہوتے ہیں۔ ایک واحد ہسپتال جہاں سسٹم بہترین ہے اور مریض اکیلا بھی ہے تو اس کے علاج کا پروٹوکول پورا ہوتا ہے وہ سی ایم ایچ ہے لیکن انہوں نے بھی عام عوام کے لیے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ لوگ بے چارے کہاں جائیں۔'' معید اس موضوع پہ گھنٹوں بول سکتا تھا۔ مگر مالا نے اس سے وہی سوال کیا جو وہ بار بار پوچھ رہی تھی۔

''ماں ٹھیک ہو جائیں گی نا؟''

''ہاں۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ اب سے ان شاءاللہ وہ ریکوری کی طرف ہوں گی۔ یکم مئی کو ماں کا ٹیومر ڈائیگنوز ہوا تھا اور ڈاکٹر ووہرا نے ہمیں چھے ماہ دیے تھے۔ یکم نومبر تک۔ لیکن دیکھو۔ ہمیں ڈاکٹر واصف مل گئے اور ہمیں معلوم ہوا کہ ماں کو منجیو ما ہے۔ ابھی بائیوپسی کی رپورٹ آنی ہے لیکن امید ہے کہ ڈاکٹر واصف کی بات درست نکلے گی۔ جو اللہ یہاں تک لایا ہے وہ آگے بھی لے جائے گا۔''

اور یہ ایک فقرہ اس کے ذہن میں پیوست ہو گیا۔ جو اللہ یہاں تک لایا ہے وہ آگے بھی لے جائے گا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے اور چہرہ اٹھا کے زیرِ لب دعا مانگنے لگی۔ واشف انت الشافی۔ شفا دے اے شفا دینے والے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس دفعہ جب ماں گھر آئیں تو وہ واقعی صحت کی طرف گامزن تھیں۔ جو اللہ یہاں تک لایا تھا' وہی آگے بھی لے کر جا رہا تھا۔ ماں پہلے سے زیادہ ذہنی طور پہ بیدار ہو چکی تھیں۔ ان کا زخم بھر رہا تھا۔ خون کا کلاٹ اندر ہی اندر گھل کے غائب ہو چکا تھا۔ اور سب سے اچھی بات۔ ماں کے ٹیومر کی بائیوپسی رپورٹ آ چکی تھی۔

یعنی ان کے آپریشن کے وقت برین سے جو ٹیومر نکالا گیا تھا' اس کے حصے تین مختلف لیبارٹریز کو بھیجے گئے تھے۔ اور تینوں کی بائیوپسی رپورٹ ایک جیسی تھی۔

گریڈ ون منجیو ما۔ سب سے زیادہ بے ضرر منجیو ما۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

سرجن نے سرجری کے دوران ٹیومر کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ برین میں چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ ان جگہوں سے چپکا ہوا تھا جو جسم کے اعضاء کنٹرول کرتے ہیں۔اس کو کاٹا جاتا تو جسم مفلوج ہو جاتا۔وہ اتنا چھوٹا سا بچا ہوا ٹیومر تھا کہ اگر وہ برین میں رہتا بھی تو کوئی مسئلہ نہ تھا۔اس کو دوبارہ تکلیف دہ بننے میں بیس سے پچیس سال لگنے تھے۔

کہاں وہ ڈاکٹر وو ہرا کی چھے ماہ کی ٹائم لائن سے لڑ رہے تھے۔اور کہاں بیس سے پچیس سال کی امید ان کے لیے آبِ حیات تھی۔

اگلے دو ہفتے تک ماں اتنی بہتر ہو گئیں کہ اب وہ پرانی باتیں یاد کرنے لگی تھیں۔رمضان کب شروع ہوا؟ مالا کب لاہور واپس آئی ؟انہیں کچھ بھی یاد نہ تھا۔عید ان کی بیماری میں آئی اور گزر گئی۔ مالا کو احساس ہوا کہ انہیں یہ بھی یاد نہیں تھا کہ زیاد نے اس کا رشتہ مانگا ہے۔وہ بھی خاموش رہی۔ یہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا۔

وہ اپریل میں لاہور واپس آئی تھی لیکن ماں کے ذہن میں نئی یادداشتیں نہیں بن رہی تھیں۔انہیں بہت کچھ یاد نہ تھا۔ایک دن جب وہ ان کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی' ماں اس سے پوچھنے لگیں۔

''عزہ کی شادی ہو گئی؟''

''جی ماں میں اسی کے لیے تو لاہور آئی تھی۔''

''لیکن مجھے کیوں نہیں یاد؟'' وہ حیران تھیں۔

وہ ہر دفعہ اس سوال کے جواب میں کہتی کہ ''ماں... آپ کے برین پہ ٹیومر کا اتنا پریشر تھا کہ وہ یادداشت کے حصے کو متاثر کر رہا تھا۔'' لیکن اس دفعہ برش چلاتے ہوئے وہ جل کے بولی۔

''کیونکہ ان دنوں آپ ٹن (مدہوش) ہوتی تھیں۔'' کہہ کے زبان دبالی۔لیکن خلاف توقع حورِ جہاں بیگم زور سے ہنس دیں۔ایک چپت پیچھے بیٹھی مالا کے گھٹنے پہ لگائی۔

''پرے بدتمیز۔ماں کو ایسے کہتے ہیں۔'' وہ برا مان کے بھی ہنسے جا رہی تھیں۔ مالا نے نرمی سے ان کے سیاہ سفید بالوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما' پھر اپنا چہرہ پیچھے سے ان کے کندھے پہ رکھا۔

''ماں آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی؟'' اس نے سوچا نہیں تھا کہ ایسا ہو گا۔لیکن ایک دم وہ زور زور سے رونے لگی تھی۔اتنے ہفتوں کی بے بسی' خوف اور امید.... سب آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے باہر نکلا تھا۔وہ اب صرف ایک لڑکی تھی جو اپنی ماں کو کھونے سے ڈرتی تھی۔

''میری بیٹی...'' ماں جو پہلے ہنس رہی تھیں' وہ اس کا سر اپنے ساتھ لگائے خود بھی رونے لگی تھیں۔وہ ایک ماں

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

تھیں جو اپنے بچوں کو اکیلا چھوڑ کے اگلے جہاں جانے سے ڈرتی تھیں۔ آنسو ان کی بوڑھی آنکھوں سے نکل کے جھریوں زدہ چہرے پہ نیچے بہنے لگے۔ ان کے چہرے کا ٹیڑھا پن ٹیومر کے نکلتے ہی درست ہو گیا تھا۔ جیسے استری کر دیا گیا ہو۔

مالا نے ماں کو اس بیماری میں دوسری دفعہ روتے دیکھا تھا۔ پہلی دفعہ تب جب آپریشن کے بعد بڑے ماموں اسلام آباد سے ملنے آئے اور کچھ دن یہیں رہے۔ ان کو دیکھتے ہی ماں نے پہلی دفعہ کہا۔ بھائی جان مجھے درد ہو رہا ہے۔ اور وہ سن رہ گئی۔ ماں کو درد بھی ہو رہا تھا؟

''بس میری ماں بچ جائے'' کی دعائیں کرتے کرتے یاد ہی نہ رہا تھا کہ ماں کو بھی درد ہو سکتا ہے۔ دوسری دفعہ وہ اب روئی تھیں۔ مالا کے سامنے۔

''معید تو لڑکا ہے' ماں۔ کچھ نہ کچھ کر لے گا۔ ماہی کی تو فیملی ہے۔ میرا تو آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہے ماں۔ میں کیا کرتی اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔'' وہ ان کے کندھے سے سر ٹکائے روئے جا رہی تھی۔ آنسو ان کے کندھے پہ رکھے دوپٹے میں جذب ہو رہے تھے۔

یہ اس لمحے تھا جب ماں نے آنسو پونچھے اور چہرہ اٹھایا۔ اس کا ماتھا چوما۔ اور انہیں جیسے یاد آیا۔ '' کچھ دن پہلے نگینہ میرے پاس آئی تھی۔''

مالا فوراً سے پیچھے ہوئی اور برش اٹھا لیا۔ گیلے چہرے کے ساتھ وہ ان کے بالوں میں برش پھیرنے لگی تاکہ پیچھے ہو جائے اور وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکیں۔

''وہ زیاد کے لیے تمہارا رشتہ مانگ رہی تھی' مالا۔''

مالا کے ہاتھ اوپر سے نیچے چلتے رہے۔ اسے اسٹوڈیو کی کھڑکی یاد آئی جو آنسوؤں سے بھری تھی۔ اسے کیف یاد آیا جو اس دن سے غائب تھا۔ دونوں میں سے کسی نے دوسرے کو کال نہیں کی تھی۔

''تم سوچنا اس بارے میں' بیٹے۔ زیاد اچھا لڑکا ہے۔ شریف ہے۔ برسرِ روزگار ہے۔'' وہ اب دھیرے دھیرے زیاد کے بارے میں بہت سی باتیں کہہ رہی تھیں۔

''میں سوچوں گی' ماں۔'' وہ بولی تو اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔ کیا وہ زیاد کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی؟ یا کسی وجہ سے وہ اس موضوع کو ٹال رہی تھی؟ کچھ تھا جو ادھورا رہ گیا تھا۔ اور اسے اس کے مکمل ہونے کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.facebook.com/nemrahahmed.official

مالا اور ماں کا سب سے زیادہ جھگڑا میٹھا کھانے پہ رہا تھا۔ سرجری کے بعد چونکہ وہ زیادہ ہلتی جلتی نہیں تھیں، اس لیے خود سے میٹھا کھا نہیں سکتی تھیں۔ ماں کو ہلانا جلانا بھی ایک الگ مسئلہ تھا۔

فزیوتھیراپسٹ روز گھر آتی اور ان کو ایکسرسائیز زکرواتی۔ وہ نوجوان سی لڑکی تھی۔ چلبلی سی۔ جینز ٹاپ پہنے بلاک ہیلز سے ٹھک ٹھک چلتی ہوئی کمرے میں آتی۔ اور خوشگوار انداز میں اعلان کرتی۔

''آنٹی اٹھ جائیں۔ فزیو کا وقت ہو گیا ہے۔''

اور اپنے بیڈ پہ لیٹی ماں کی شکل سے لگتا وہ اس کو کچا چبا جائیں گی۔ ان کو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی کیونکہ وہ ان سے جسمانی مشقت کرواتی تھی۔ اس کے آنے کا ٹائم فکس تھا۔ اور آنے سے پہلے ماں کی وہ حالت ہوتی جیسے ٹیوشن ٹیچر کے آنے سے پہلے بچوں کی ہوتی ہے۔ بس کسی طرح چھٹی کا بہانہ بن جائے۔

''مالا آج تو مہمان آنے ہیں۔ تم فزیوتھیراپسٹ سے کہو کل آجائے۔''

''میں نے مہمانوں سے بات کر لی تھی۔ وہ چھے بجے کے بعد آئیں گے۔ فزیو کی چھٹی نہیں ہونی، ماں۔''

وہ بھی حورِ جہاں کی بیٹی تھی۔ جیسے بچپن میں ماں زبردستی ٹیوشن اور قاری صاحب پہ بھیجتی تھیں، اسے بھی سارے بدلے گن گن کے لینے تھے۔ ماں پہلو بدل کے رہ جاتیں۔

''ہونہہ۔ مجھے تو وہ نقلی تھیراپسٹ لگتی ہے۔ میرے سارے جوڑ ہلا جاتی ہے۔''

اس کے جوڑ ہلانے سے یہ ہوا کہ جون کے آغاز میں ماں جو بالکل بیڈ پہ تھیں، اب اٹھ کے بیٹھنے لگ گئی تھیں۔

جون کے وسط تک وہ کھڑی ہونے لگیں۔ اور جون کے آخری دنوں میں پہلی دفعہ انہوں نے واکر کے سہارے چند قدم اٹھائے۔

جولائی شروع ہوا تو ماں بالآخر واکر سے کمرے کا چکر کاٹنے لگیں۔ باتھ روم بھی اب وہ واکر سے جا رہی تھیں۔ ہر شام فزیوتھراپسٹ ایکسرسائز کروانے آتی۔ اور آخر میں وہ ان کو کھڑا کرتی۔ وہ واکر سے چند قدم چل کے مالا کے بیڈ پہ بیٹھ جاتیں اور پھر وہیں بیٹھی رہتیں۔ فزیو کے جانے پہ وہ ایسے خوش ہوتیں جیسے بچے سکول کی چھٹی کی گھنٹی بجنے پہ ہوتے ہیں۔

یہ ان کی روز کی روٹین تھی۔ فزیو چلی جاتی۔ اور بخت بی چائے لے آتی۔ مالا اور ماں وہیں بیڈ پہ بیٹھے بیٹھے چائے پیتے۔ ساتھ ہی ماہی کو ویڈیو کال ملا لیتے۔ ماہی کی اس وقت فجر بھی نہیں ہوئی ہوتی لیکن وہ ماں کے لیے اٹھ جایا کرتی تھی۔ پھر وہ تینوں خوب باتیں کرتے۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

گئے دنوں کی باتیں کرتے۔ پرانے قصے۔ سب کچھ خواب سا لگتا تھا۔ کہاں ماں ٹیومر کی مریض تھیں۔ اور کہاں وہ دونوں اب مالا کے بیڈ پہ بیٹھ کے گپیں لگا رہے تھے۔ ماہی نے گپوں کے لیے gup کا لفظ ایجاد کیا ہوا تھا۔ وہ ہر کسی کے نام کو چھوٹا کر کے آگے ایس لگا دیتی تھی۔ یوں ان کی شامیں ایک جیسی ہوتیں۔ گپس لگاتے لگاتے کٹ جاتیں۔ پھر رات ہو جاتی اور ماں کی نائٹ روٹین شروع ہو جاتی۔ ان کا بیڈ بنانا۔ ایکسٹرا شیٹس۔ دوائیاں۔ اینٹی بائیوٹک۔

درمیان میں معید کو شک ہوا کہ ماں کو منجائٹس ہو گیا ہے کیونکہ ٹیسٹ رپورٹس میں کچھ لیولز ہائی آ رہے تھے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب دماغ کی منجی کی تہہ میں انفیکشن ہو جائے جسے منجائٹس کہتے ہیں اور یہ جان لیوا ہو سکتا تھا۔

لیکن ڈاکٹر واصف کا کہنا تھا کہ یہ منجائٹس نہیں ہے۔ وہ کہتے کہ جب وہ تندرست لگ رہی ہیں، اور اس سے بہتر ہو نہیں سکتی تھیں اور ٹیومر بھی منجیو ما ہے (کیونکہ تین لیبارٹریز یہ کہہ چکی ہیں) تو پھر مسئلہ کیا ہے۔ ہر چیز ٹھیک ہے۔ یہ لیولز بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اینٹی بائیوٹک آہستہ آہستہ ان کو تندرست کر دے گی۔ اور یوں معید کچھ دن کے لیے مطمئن ہو جاتا۔ پھر دوبارہ وہ ٹیسٹ کرواتا۔ بظاہر ماں تندرست تھیں لیکن وہ لیولز نیچے نہیں جا رہے تھے۔ کہاں گڑبڑ تھی جسم میں۔ یا شاید وہ وہمی ہو رہا تھا۔

اس دن معید کے ساتھ اس کا ایک دوست اینڈوکرائینولوجسٹ گھر آیا اور ماں کی شوگر وغیرہ کا فالو اپ کرنے لگا۔ وہ اس وقت بیڈ پہ اٹھی بیٹھی تھیں۔ دوپٹہ سر پہ لے کر کانوں کے پیچھے اڑس رکھا تھا۔ سفید بال قلموں سے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ مالا نے سوچا صبح ان کا ہیئر ڈائی لگا دے گی۔

''آہ ... میٹھا نہیں کھا سکتی۔ حسرت ہی رہے گی اب یہ۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جعفر سے کہنے لگیں۔

''کس نے کہا ہے آپ میٹھا نہیں کھا سکتیں؟ معید ...'' اس نے تحکم سے کہا۔ ''آنٹی کی شوگر چیک کرو اور گھر میں جو بھی میٹھا ہے لے آؤ۔''

''ہیں ہیں کیا مطلب؟'' وہ جو صوفے پہ بیٹھی موبائل پہ لگی تھی، ہڑبڑا کے اٹھی۔ معید بھی فکرمند ہو گیا۔

''ماں کی شوگر ہائی ہوئی تو انفیکشن ہو سکتا ہے۔''

''میں اینڈوکرائینولوجسٹ ہوں یا تم؟'' ڈاکٹر جعفر بگڑ کے بولا۔ ''میں شوگر ہائی نہیں ہونے دوں گا۔ اگر ہم ان کو میٹھا کھلا کے ساتھ ہی (اس نے انسولین کی ایک قسم کا نام لیا) لگا دیں تو شوگر ہائی نہیں ہو گی۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

بخت بی نے انڈوں کا حلوہ بنایا تھا۔تھوڑی دیر بعد ماں مزے سے پیالے میں انڈوں کا حلوہ کھا رہی تھیں جبکہ مالا اور معید بے بسی سے انہیں گھور رہے تھے۔اس دن سے ڈاکٹر جعفر ماں کا فیورٹ ڈاکٹر بن گیا۔وہ دوپہر کے کھانے کے بعد پیالہ بھر کے انہیں میٹھا کھانے دیتا اور ساتھ ہی مالا ان کو انسولین کی وہ قسم لگا دیتی جو اس نے کہی تھی۔وہ کھانے سے پہلے کی شوگر بھی نوٹ کر کے بتاتی۔اور ساتھ یہ بھی کہ وہ کیا اور کتنا کھا رہی ہیں۔انسولین فوراً جسم میں جا کے شوگر لیول کم کر دیتی۔یہ ایک خطرناک چیز تھی لیکن چونکہ اینڈوکرائینولوجسٹ خود اس کو مانیٹر کر رہا تھا' اس لیے ماں کا شوگر لیول ٹھیک رہا۔

اور وہ ایک دم خوش رہنے لگیں۔وہ ہر روز میٹھا بنواتیں۔جعفر کا کہنا تھا کہ مریض خوش نہیں ہوگا تو صحت مند نہیں ہوگا۔جون کے مہینے میں انہوں نے بہت میٹھا کھایا۔جعفر نے جولائی میں بھی انہیں میٹھا کھانے دیا۔اس کا کہنا تھا کہ اگست میں جب زخم مکمل بھر جائے گا اور وہ چلنے پھرنے لگیں گی' تب ہم اس کو روک دیں گے۔

البتہ ماں کو سختی سے منع تھا کہ وہ جعفر کی اجازت کے بغیر میٹھا نہیں کھا سکتیں۔آہستہ آہستہ وہ میٹھے میں ایک دن کا گیپ دینے لگا۔ماں کو یہ بات پسند نہیں آئی لیکن مجبور تھیں۔

وہ بھی گیپ والا دن تھا۔لیکن مالا نے صبح دیکھا کہ بخت بی شاہی ٹکڑے بنا رہی ہیں۔اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ماں سے جا کے پوچھا تو انہوں نے سر جھکا کے معصومیت سے کہا۔''معید نے کہا تھا۔''

اس نے معید کو کال کی۔وہ ہسپتال تھا۔

''کون سے شاہی ٹکڑے؟ میں نے تو نہیں کہا۔'' مالا کو ساری بات سمجھ آ گئی۔اسے ماں کی معصومیت پہ ہنسی بھی آئی۔لیکن خیر... دوپہر میں وہ چپ چاپ شاہی ٹکڑوں کا پیالہ لیے ماں کے پاس گئی اور انہیں تھما دیا۔

''بس ایک پیالہ کھانا ہے آپ نے۔'' ماں نے چپ چاپ سر جھکا لیا۔کچھ نہیں کہا۔دوبارہ نہیں مانگا۔مالا کو لگا ماں کو بالآخر اپنی شوگر کا احساس ہونے لگا ہے۔

رات کو اس نے بخت بی اور معید کے ساتھ کچن میں میٹنگ کی۔

''اب مجھ سے پوچھے بغیر گھر میں میٹھا نہیں بنے گا۔''

معید نے سر ہلایا۔"ہاں اور مالا... اب ماں کو آج کی حرکت پہ کچھ نہ کہنا۔میں نے انہیں ایک پیالہ دے دیا ہے۔وہ مزید نہیں مانگیں گی۔''

مالا کا منہ کھل گیا۔''معید میں انہیں ایک پیالہ دے چکی تھی۔انہوں نے تم سے الگ سے مانگا ہے؟''

www.facebook.com/nemrahahmedofficial

معید نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ اس نے کیسے ماں کی معصومیت پہ بھروسہ کر لیا؟

پھر دونوں نے ایک دم بخت بی کو دیکھا۔ وہ بھی منہ کھولے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ایک پیالہ تو باجی کو میں نے بھی دیا ہے۔''

"بختے بی۔" وہ دونوں چلائے تھے۔

اور ماں کمرے میں بیٹھیں، ہم ٹی وی کا کوئی ڈرامہ لگائے مزے سے شاہی ٹکڑے کھا رہی تھیں۔ پس ثابت ہوا کہ وہ ان کی بھی ماں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اندرونِ شہر کی گندی میلی گلیوں میں سے ایک کے اندر بنے اس گھر میں آج بھی بہت رش تھا۔ البتہ وی آئی پی کے لیے مختص قالین والے کمرے میں صوفے پہ کروفر سے بیٹھی کبیرہ بیگم تنہا تھیں۔

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے وہ مضطرب سی اپنی ہیرے کی انگوٹھیاں مروڑ رہی تھیں۔ بوائے کٹ بال ہمیشہ کی طرح سیٹ تھے۔ کانوں میں موتیوں کے ٹاپس اور آنکھوں میں برہمی تھی۔

سامنے بیٹھا بکھرے بالوں اور بدبودار لباس والا عامل پیٹر مسیح آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ کبیرہ بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''بچ کیسے گئی حورِ جہاں؟'' وہ ایک دم تڑپ کے بولیں تو عامل نے آنکھیں کھولیں۔

''جادو نے اس کے خون کو اس کے خلاف کر دیا تھا۔ خون میں شیطانی لوتھڑا بنایا گیا تھا۔ لیکن...'' عامل نے گہری سانس اندر کھینچی۔ ''کیا کریں... اس کے بچوں نے علاج کروالیا۔''

''ہونہہ۔ کیا فائدہ ہوا۔'' وہ ناخوشی سے ایک انگوٹھی کو بار بار اتارتی اور واپس پہنتی۔ ''اتنے جادو کے باوجود اسے بچنا ہی تھا۔''

''جادو نے اس کے جسم کو بہت کھوکھلا کر دیا ہے۔ کبھی تو عامل کا وقت بھی آئے گا۔'' وہ زیرِ لب مسکرایا۔ کبیرہ نے ہونہہ کہہ کے سر جھٹکا۔ اور دوسرے موضوع کی طرف آئی۔

''ماہی... اس کی بیٹی کی ساس کسی کو بتا رہی تھی کہ اس کی پریگننسی ٹھیک جا رہی ہے، ایک کام کہا تھا تمہیں۔ کہ اس کے بچہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بھی تم سے نہیں ہوا سائیں۔''

عامل نے ڈھیلے سے انداز میں کندھے اچکائے۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''ہمارا قصور نہیں ہے۔وہ لڑکی پڑھائی بہت کرتی ہے۔صبح شام کی دعائیں۔اس سے معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔ہم جادو بھیجتے ہیں لیکن وہ اثر نہیں کرتا۔''

''یعنی میں اب وہ دن دیکھوں گی جب عباد اور ماہی اپنی مکمل فیملی سیلیبریٹ کر رہے ہوں گے اور میری بیٹی گھر بیٹھی ہوگی؟ ناممکن۔'' کبیرہ نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ایسے کہ ناخن ہتھیلیوں میں پیوست ہو گئے۔

عامل کاجل لگی آنکھوں سے مسکرایا۔''فکر نہ کرو۔انسان سست پڑ جاتے ہیں۔کسی نہ کسی دن وہ دعا مانگنا بھول جائے گی۔کبھی نہ کبھی وہ ناغہ کرے گی۔ہم تاک میں ہوں گے اور اسی دن حملہ کریں گے۔''

مگر کبیرہ کی تسلی نہیں ہوئی۔اسی ناخوشی سے عامل کو دیکھ کے گویا ہوئیں۔''اور وہ زیاد؟ اس کا اچھا حساب تمام کیا تم نے؟ اس کی ماں رشتہ لینے پہنچ گئی کشمالہ کے گھر۔''

''اس کی ماں کا بھی وہی مسئلہ ہے' کبیرہ بیگم۔وہ پڑھتی پڑھاتی بہت ہے۔یہ پڑھنے پڑھانے والے لوگ سارا دھندا خراب کر دیتے ہیں۔'' وہ جی بھر کے بدمزہ ہوا۔''زیاد کی ماں نے اپنی پڑھائی سے اور ماہی نے اپنی پڑھائی سے اپنی اپنی اولاد کو محفوظ کر رکھا ہے۔اب میں کہاں سے نقب لگاؤں؟''

''کس کام کے ہو پھر آپ میرے؟''

''زیاد کی ماں کا کچھ کرتا ہوں۔جب حورِ جہاں جیسی پڑھنے پڑھانے والی عورت جادو سے بیمار پڑ سکتی ہے تو زیاد کی ماں کیا چیز ہے۔'' وہ آنکھیں بند کر کے کچھ بڑبڑانے لگا۔پھر اسی کیفیت میں بولا۔''زیاد کشمالہ کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہے۔تمہاری بیٹی کا معاملہ مجھے یہاں ہوتا نہیں دکھائی دے رہا۔''

''میری بیٹی کی شادی زیاد سے ہی ہوگی اور تم کرواؤ گے یہ سب۔'' کبیرہ اب بے چینی سے ناخن چبانے لگی تھیں۔یہ وہ صرف تب کرتیں جب وہ شدید بے بسی کا شکار ہوتیں۔

خاندان والوں کی باتیں...اپنی بیٹی کا بڑھتا وزن...یہ سب اسے ہراساں کرتا تھا۔اور پھر دھوم دھام سے شادی کر کے اور ایک اچھا داماد لے کر خاندان پہ دھاک بھی بٹھانی تھی۔کبیرہ کو ہمیشہ یہی فکر ہوتی تھی کہ اپنی دھاک ہر ایک پہ قائم کیسے رکھنی ہے۔

اور اگر یہ سب نہ ہو سکا....اور اسے ماہی کا بچہ اور مالا کا بسا ہوا گھر دیکھنا پڑا...تو؟ یہ کسی بھیانک خواب سے کم نہیں ہوگا۔

''کشمالہ زیاد کو پسند نہیں کرتی۔اس کی زندگی میں کوئی اور ہے۔'' عامل ایک دم چونک کے بولا۔کبیرہ بھی اپنے

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

خیال سے جاگی۔ چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''واہ۔ تمہارے موکل تو بڑے کام کے ہیں۔ کون ہے اس کی زندگی میں؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''کوشش کرتا ہوں پتہ کرنے کی۔'' عامل نے بڑے جوش سے آنکھیں موندیں۔ لیکن اگلے ہی پل اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ہڑبڑا کے اس نے آنکھیں کھولیں۔

''نہیں۔ کوئی نہیں۔'' ہاتھ بے اختیار گردن تک گیا۔ وہ درد کئی دن تک محسوس ہوتا رہا تھا۔

''مگر تم نے کہا...''

''کہا نا... موکل کو غلطی لگی تھی۔ کوئی نہیں ہے کشمالہ کی زندگی میں۔ میں دیکھتا ہوں اس معاملے کو۔'' وہ کھانستے ہوئے بات بدل گیا۔ ''زیاد کی ماں کو بہت تیزی ہے نارشتہ کرنے کی۔ پہلے اس کا بندوبست کرتا ہوں۔''

اب وہ کبیرہ بیگم کو وہ فہرست تھما رہا تھا جو اسے درکار تھی۔ نقدی۔ بکرے۔ اور فیورز۔ کسی کی سفارش۔ کسی کا تبادلہ۔

اکثر لوگ سوچتے ہیں کہ جادو جنات کا کام کرنے والے اپنے لیے جنات سے کہہ کے دولت کیوں نہیں کما لیتے؟ ایسا اس لیے ہے کہ جنات انسان کو دولت نہیں لا کے دے سکتے۔ دولت انسان کو انسانوں سے کمانی ہوتی ہے۔ یہ نصیب سے ملتی ہے۔ محنت سے بڑھتی ہے۔ اور حکمت سے خرچ کرنے پہ قائم رہتی ہے۔ جنات اس معاملے میں بے بس ہوتے ہیں۔ وہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ یا کسی کا حال عامل تک پہنچا سکتے ہیں۔ عامل ان کاموں کے لیے جنات کو قید کرتے اور ان پہ ظلم کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جنات ہر کام درست کر دیں۔ یا ہر خبر سچی پہنچائیں۔ جنات جھوٹ بھی بہت بولتے ہیں اور اگر انہیں جواب معلوم نہ ہو تو اپنی طرف سے گھڑ کے سنا دیتے ہیں۔ عامل اپنے کلائنٹ سے پھر بھی پیسے بٹور لیتا ہے۔ البتہ ایسے گندے میلے علاقوں میں رہنا اس کی مجبوری ہوتی ہے کیونکہ برے جنات اور شیاطین قریب تب آتے ہیں جب انسان ویرانے اور گندی جگہوں پہ رہے۔ انہیں جنات کو قابو کرنے کے لیے بہت سے غلاظت سے بھرے کام کرنے پڑتے ہیں۔

ایسے میں کچھ جنات ہوتے ہیں جو عامل کے قبضے سے چھوٹ جاتے ہیں۔ عامل ان کو مارنے یا ان کی روزی تنگ کرنے کا ڈراوا دیتا ہے۔ لیکن جس دن کسی جن کو یقین ہو جائے کہ عامل اس کی موت اور رزق پہ قادر نہیں ہے، وہ عامل کے شکنجے سے خود کو آزاد کر لیتا ہے۔

لیکن انسان آزاد نہیں ہو سکتے۔ جو انسان عامل کی چوکھٹ ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے، اور اسے اپنا کام کروانے کا چسکا

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

پڑ جاتا ہے' وہ کبھی اس چوکھٹ سے آزاد نہیں ہوتا۔ اگر وہ توبہ بھی کر لے کہ میں اب دوبارہ یہاں نہیں آؤں گا تو عامل اپنے جنات کے ذریعے اس کو ڈراتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کے دشمن پھر سے پیچھے لگ گئے ہیں سو وہ بھاگ کے عامل کے پاس دوبارہ آتا ہے۔ اور یوں عامل اپنے کلائنٹ کبھی نہیں کھوتے۔ جنات کے ساتھ ساتھ انسان بھی اس کی قید میں ہوتے ہیں۔

کبیرہ بیگم بھی ایک قیدی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماں کے ایمبولزم والے معاملے کے بعد مالا نے ریستوران والے پراجیکٹ کو روک دیا تھا۔ لیکن جون کے آخر میں جب ماں بہتر ہونے لگیں' اس نے ریستوران جوائن کر لیا۔ وہ روز ایک سے دو گھنٹے کے لیے وہاں جاتی تھی۔ اس کا ہاتھ برش اور رنگوں پہ پھر سے چلنے لگا تھا۔

ریستوران کا نام گلاس ٹاؤن تھا۔ وہاں ہر روز معمول کی گہما گہمی ہوتی۔ ریستوران کے ہال کے باہر ایک برآمدہ تھا جس کی شیشے کی دیوار نے اسے باغیچے سے الگ کر رکھا تھا۔ مالا گلاس وال کے اندر کی طرف فرش پہ بیٹھ جاتی۔ نیچے چند کشن بچھا لیتی اور پھر آلتی پالتی کیے وہ رنگ مکس کرنے لگتی۔ کانچ کی پلیٹوں کے ٹکرانے کی آواز' سلور کے چمچ کی کھٹکار' لاہور کے لوگوں کی گوسپ' موبائل کی بجتی گھنٹیاں' وہ سب سنتے ہوئے کام کرتی جاتی۔ آوازیں اچھی تھیں۔ خاموشی بری تھی۔ خاموشی ہسپتال کے آئی سی یو کی یاد دلاتی تھی جس میں صرف مشینوں کی بپ بپ کے علاہ کوئی آواز نہ ہوتی تھی۔

ہر روز گلاس وال کے ساتھ اپنا کام پھیلانے سے پہلے وہ موبائل اسکرین پہ تاریخ دیکھتی۔ ڈاکٹر وہرا کی ٹائم لائن چھے ماہ کی تھی۔ یکم نومبر تک۔ وہ ٹائم لائن کبھی ذہن سے جاتی ہی نہیں تھی۔ جیسے سزائے موت کے قیدی کو سزا سنا کے آزاد کر دیا جائے تو وہ بار بار اس تاریخ کو یاد کرتا ہے جب اس کو پھانسی دی جانی تھی۔ ہر روز وہ گنتی کہ یکم نومبر آنے میں کتنے دن تھے۔

اور ہر روز وہ گنتی کہ کیف کو گئے کتنے دن بیت چکے تھے۔ یہ حساب کتاب بھی ذہن سے نہیں جاتا تھا۔

کیف گیا تو زندگی سے بھی کچھ چلا گیا۔ تعاقب ہونے کا احساس پھر سے چھانے لگا۔ لیکن اس نے پھر کوئی گارڈ نہیں رکھا۔ وہ رکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ سیکیورٹی گارڈ چیزوں کو پیچیدہ بنا دیتے تھے۔ یا شاید وہ صرف کیف تھا۔ مالا نے اس خوف کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ ماہی مسلسل اسے قرآنی آیات بھیجتی۔ ان کو پڑھا کرو مالا۔ ماں پہ جادو

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

ہے۔ وہ ان کو پڑھتی اور پورے انہماک سے پڑھتی لیکن ماں کی صحت یابی کے لیے۔ جادو کا سوچ کے نہیں۔ اسے جادو جنات پہ یقین نہیں تھا۔ وہ ہوتے ہیں لیکن کسی اور کے ساتھ۔ کسی اور زمانے میں۔ اس کی ماں پہ کوئی جادو نہیں تھا۔ ماہی وہمی تھی۔

اس کے بعد گھر میں خون نہیں آیا نہ ہی کسی نے کوئی اور حرکت کی۔ ہاں ایک تعاقب ہونے کا احساس تھا لیکن وہ اس کو نظر انداز کر دیتی تھی۔

وہ ریستوران پہنچتی تو ماں کا ٹیکسٹ میسیج آتا۔

(پہنچ گئی ہو؟) وہ مسکرا کے جواب لکھتی۔ جی ماں۔ روز اس کی کوشش ہوتی کہ پہنچتے ساتھ ہی ان کو پہلے میسیج کرے لیکن ان کا میسیج پہلے آجاتا۔ وہ منٹ گن رہی ہوتی تھیں۔ وہ کام کر رہی ہوتی تو ماں کا میسیج آتا۔ (ساتھ ساتھ کچھ کھاتی پیتی بھی رہنا۔ ان موئے ریستوران والو سے کہو تمہیں فری میں کھانا دیا کریں۔) ماں بھی ٹپیکل ماں تھیں۔ وہ ہنس کے روز انہیں میسیج کرتی کہ جی وہ مجھے کافی دیتے ہیں۔

ماں کو خالی پیٹ کافی پینا پسند نہ تھا لیکن وہ عمر کے اس حصے میں تھی جب انٹرمٹنٹ فاسٹنگ ایک روٹین بن جاتی ہے۔ (انٹرمٹنٹ فاسٹنگ کرنے والے لوگ رات کے کھانے اور اگلی دوپہر کے کھانے میں بارہ سے سولہ گھنٹے کا گیپ دیتے ہیں اور اس دوران سوائے پانی یا بلیک کافی کے کچھ نہیں کھاتے۔) وہ صبح صبح کافی سے زیادہ کچھ پی بھی نہیں سکتی تھی۔ اور کافی سے اسے کیف یاد آتا لیکن وہ اس کو ذہن سے جھٹک دیتی۔ ریستوران سے نکلنے سے پہلے ماں کا میسیج آجاتا۔ (نکل پڑی ہو؟) وہ کہتی (جی راستے میں ہوں) حالانکہ وہ دروازے پہ ہوتی تھی۔ غرض ان دو ڈھائی گھنٹوں میں ماں کے بار بار میسیج آتے۔

یکم مئی کو جب ڈاکٹر ووہرا نے وہ ڈیڈ لائن دی تھی تو مالا کو لگتا تھا اس نمبر سے اب کبھی میسیج نہیں آئے گا۔ لیکن ڈاکٹر ووہرا غلط تھے۔ وہ بار بار دہرا کے دل کو یقین دلاتی۔ ڈاکٹر ووہرا نے کہا تھا وہ گلائیوما ہے لیکن وہ منجیو مانکلا۔ اب میری ماں کبھی بیمار نہیں ہوں گی۔

مگر یکم نومبر کی تلوار ذہن پہ لٹک رہی ہوتی۔ بس یہ یکم نومبر گزر جائے پھر زندگی میں سکون آجائے گا۔

جون کے اختتام تک اس کی زیادہ سے چند ایک بار ٹیکسٹ پہ ہی بات ہوئی۔ وہ ماں کی خیریت پوچھنے کے لیے میسیج کرتا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے مسئلے بھی بیان کرتا۔ جیسے اس کے آفس میں آگ لگنے سے اس کا اسٹور روم جل گیا اور ذمہ داری زیادہ پہ آگئی حالانکہ وہ چھٹی پہ تھا۔ وہ اس بات سے کافی پریشان تھا۔ پھر اس کے حالات بہتر ہونے

www.facebook.com/amrah.ahmed.official

لگے تو وہ کم پریشان لگنے لگا۔ البتہ رشتے والے معاملے پہ دونوں نے کوئی بات نہیں کی۔

یہ گیارہ جولائی کی بات ہے۔ آج صبح تاریخ دیکھتے وقت اسے کیف کا کمپیٹیشن یاد آیا۔ کیا وہ اسے جیت جانے کے بعد مالا کو بتائے گا؟ اسے یقین سا تھا کہ وہ جیت جائے گا۔ وہ کامیاب ہو جائے گا۔ پتہ نہیں کیوں۔ اس نے فون رکھ کے پینٹ برش اٹھایا ہی تھا کہ زیاد کی کال آنے لگی۔

بنا بتائے اس نے کیسے کال کر لی؟ مالا کام کے دوران کسی کا فون نہیں اٹھاتی تھی لیکن وہ زیاد تھا۔ اس نے ہینڈز فری کانوں میں لگائے۔

''آپ نے کیسے کال کی۔ خیریت؟'' وہ برش کو پینٹ میں ڈپ کر رہی تھی۔ رف کرتا ٹراؤزر پہنے' بال پونی میں باندھے' اس نے ماتھے پہ سلک کا سبز رومال باندھ کے پیچھے گرہ لگائی ہوئی تھی۔

''کیا یہ آپ کا ورک ٹائم ہے؟''

''ہے تو سہی۔''

''لیکن میرے لیے آپ وقت نکال لیں گی۔'' وہ پراعتماد تھا۔ ہمیشہ کی طرح۔ مالا نے ایک نظر اپنے بکھرے پینٹس اور برشز کو دیکھا۔ کیا اسے زیاد سے کہنا چاہیے کہ وہ ابھی مصروف ہے۔ وہ کسی اور وقت کال کر لے؟ یا شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ اس کے لیے وقت نکال سکتی تھی۔ وہ اس کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگر اس نے دوبارہ کال نہ کی؟ اسے خود پہ حیرت ہوئی۔ وہ توجہ کے لیے اتنی ضرورت مند کب سے ہو گئی تھی؟ شاید اس لیے کہ وہ ایموشنل ٹراما میں تھی۔ کیا ٹراما ابھی چل رہا تھا یا گزر گیا؟ وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

''بتائیے۔''

وہ اس کو اپنی جاب کے بارے میں بتانے لگا۔ کیسے وہاں مسائل چل رہے تھے اور کیسے اس نے بمشکل خود کو ان سے نکالا ہے۔ وہ اس سے اس کی رائٹنگ کا پوچھنے لگی۔ وہ اس بارے میں کچھ دیر بولے گیا۔ وہ جانتی تھی وہ تمہید باندھ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ برش سے پینٹ مکس کر رہے تھے لیکن وہ انہیں شیشے پہ نہیں اتار رہی تھی۔ اسے زیاد کی تمہید ختم ہونے کا انتظار تھا۔

''آپ جانتی ہوں گی کہ میری امی نے کچھ دن پہلے آپ کی والدہ سے بات کی تھی۔ ہمارے بارے میں۔''

مشکل گفتگو شروع ہو چکی تھی۔ اس نے برش رکھ دیا اور سبز رومال سے ڈھکا سر جھکا دیا۔

''جی۔ مجھے معلوم ہے۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''کیا آپ نے اس بارے میں سوچا؟''

''دیکھیں زیاد۔'' جواب اس کے پاس تیار تھا۔ ''میری ماں بیمار ہیں۔ ان کی ریکوری میں چند ماہ لگیں گے۔ پھر ہم ان کا گھٹنے کا آپریشن کروائیں گے۔ ان کے وزن کی وجہ سے دونوں گھٹنوں کا آپریشن ایک ساتھ نہیں ہوسکتا۔ درمیان میں چھے ماہ کا گیپ دینا ہوگا۔ اگر ہم دسمبر میں ایک گھٹنے کی سرجری کرواتے ہیں تو دوسرے کی سرجری اگلے جون میں ہوگی۔ پھر اس کی ریکوری میں بھی چار پانچ ماہ لگیں گے۔ یعنی اگلے ڈیڑھ سال تک میں ماں کے علاوہ کسی اور بارے میں نہیں سوچ سکتی۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''دراصل جب امی نے یہ بات سوچی تھی، تب آنٹی صحت سے تھیں۔ ہمیں خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی بیمار پڑ جائیں گی۔'' وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "آپ کی بات درست ہے۔ آپ کو جتنا وقت چاہیے آپ لے لیں۔ آرام سے اس بارے میں سوچیں۔ لیکن وقت کی وجہ سے انکار مت کیجیے گا۔''

''آپ کو لگتا ہے میں اور آپ ایک ساتھ رہ سکتے ہیں؟'' وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائی۔

''میرے ساتھ کوئی بھی رہ سکتا ہے، کشمالہ۔ آپ اپنی بات کریں۔'' اس کا اعتماد اور مسکراہٹ وہ فون کے دوسری طرف سے بھی محسوس کر سکتی تھی۔

''میرے ساتھ ہر کوئی نہیں رہ سکتا۔ آپ کے بارے میں، میں سوچوں گی۔ لیکن میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' وہ قدرے توقف سے سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ ''آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟''

''ابھی تک؟''

''آپ غالباً اٹھائیس برس کی ہیں۔ مجھ سے دو سال چھوٹی ہیں۔ لڑکیوں کی شادیاں عموماً پچیس سال تک ہو جاتی ہیں۔ آپ نے کیوں نہیں کی؟''

وہ چپ ہوگئی۔

''آپ کو عمر کی بات بری تو نہیں لگی؟ میں دراصل ایک صاف گو انسان ہوں۔ جو دل میں ہو، کہہ دیتا ہوں۔ عمر کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں کیونکہ خوبصورت لڑکیوں کی شادیاں بہت جلد ہو جاتی ہیں۔ آپ اتنی ٹیلنٹڈ، اور اتنی پرفیکٹ ہیں، اس لیے پوچھا۔'' اس نے بہت نرمی سے اپنی بات کی وضاحت کی۔

www.facebook.com/nemra.ahmad.official

''کیونکہ میرا نہیں خیال کہ شادی دنیا کا سب سے ضروری کام ہے۔ مجھے پہلے اپنا کیریئر بنانا تھا اور خود پہ فوکس کرنا تھا۔ اور آج کل لڑکیوں کی شادیاں اس سے بھی لیٹ ہوتی ہیں۔'' اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔ کچھ برا لگا تھا اسے۔

''میرا خیال ہے کہ شادی کیریئر سے پہلے آتی ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کے لیے۔ کیونکہ لڑکیاں لڑکوں سے جلد ایج کرتی ہیں۔ پہلے مجھے بہت حیرت ہوتی تھی یہ دیکھ کے کہ میرے اردگرد کام کرنے والی خواتین تیس کا ہندسہ عبور کرنے کے بعد اتنی چڑچڑی کیوں ہونے لگتی ہیں۔ اب خود تیس کا ہندسہ عبور کیا ہے تو اندازہ ہوا ہے کہ بوڑھے ہونے کا خوف بہت شدید ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی زندگی کو کسی بھی چیز میں لگ کے گزر نہ جانے دیں۔ بے شک میرے بارے میں مت سوچیں۔ انکار بھی کر دیں۔ لیکن... کشمالہ... اپنا وقت مزید مت ضائع کریں۔ اپنے بارے میں سوچنا شروع کریں۔'' وہ بہت نرمی سے کہہ رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش ہوگئی۔

''میرے مینیجر مجھے بلا رہے ہیں۔ ہم پھر بات کریں گے۔'' اس نے شائستگی سے کہہ کے کال کاٹ دی۔

اس وقت اسے زیاد کی بات بری لگی تھی۔ لیکن زیاد ایسا ہی تھا۔ حقیقت پسند۔ اور حقیقت ناولز اور فلموں سے دور ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہی سب ہوتا ہے۔ لوگوں کے لڑکیوں کے بارے میں یہی خیالات ہوتے ہیں۔

وہ ریستوران کے واش روم میں گئی اور سنک کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ چہرہ دائیں بائیں موڑا۔ ہر روز وہ پمپل ڈھونڈتی تھی۔ جھریاں کبھی نہیں ڈھونڈیں۔ کیا اس کی آنکھوں کے نیچے جھریاں تھیں؟ نہیں۔ اسے نظر نہیں آئیں۔ اس نے تھوڑی نیچے کر کے اپنے سر کے بال دیکھے۔ ان میں کچھ کچھ سفید تھے۔ پانچ سے چھے بال۔ یہ تو اٹھارہ سال کی عمر سے تھے۔ اسٹریس والے دنوں میں زیادہ سفید ہو جاتے اور پھر ٹھیک ہو جاتے۔ ماہی کے اس سے زیادہ سفید تھے اور وہ ڈائی کر لیتی تھی۔

کیا میں نے اوشن کے پیچھے اتنے برس اپنی زندگی ضائع کر دی؟ اور اب اوشن بھی میرے ہاتھ میں نہیں رہا۔ صرف بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوا کچھ پیسہ باقی رہا۔ کیا میں تیس کی عمر تک شادی نہیں کروں گی تو مجھ سے کوئی شادی نہیں کرے گا؟

زیاد کی باتوں نے اسے الجھا دیا تھا۔ اس نے بے اختیار کیف کی واٹس ایپ چیٹ کھولی۔ اس نے اپنا واٹس ایپ اس روز سے آف کر رکھا تھا۔ اس کا لاسٹ سین جون کی اس تاریخ کا تھا جب وہ دونوں آخری دفعہ ملے تھے۔ کیف نے نمبر کیوں آف کر دیا تھا؟ کیف کہاں چلا گیا تھا؟

www.facebook.com/nemra.ahmed.official

وہ اسے مس کرتی تھی۔ایک بے نام سا احساس تھا جو کیف کی غیر موجودگی میں ہوتا تھا۔وہ تھا تو وہ ریلیکسڈ رہتی تھی۔مسئلہ ہوتا تو اسے کہہ دیتی۔کیف کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا تھا۔وہ اپنے الفاظ سے اس کی زندگی میں کچھ اضافہ کرتا تھا۔کوئی اچھی بات۔کوئی نصیحت۔وہ گیا تو اپنے ساتھ بہت کچھ لے گیا۔اور پیچھے خاموشی چھوڑ گیا۔ آوازیں اچھی تھیں۔خاموشی بری تھی۔

اپنے اپارٹمنٹ کچن میں کھڑا زیاد موبائل کان سے لگائے مالا سے بات کر رہا تھا اور رنگینہ بیگم جو اس کے اپارٹمنٹ کی دیکھ بھال کے لیے آج یہاں آئی تھیں' ماتھے پہ ہاتھ رکھے سن رہی تھیں۔ساتھ ساتھ تاسف سے سر بھی ہلا رہی تھیں۔فون بند کر کے اس نے ماں کو دیکھا جو ابھی ابھی داخل ہوئی تھیں اور انہوں نے اس کی آخری باتیں سن لی تھیں۔

''امی میں کچھ نہ کچھ کھا لیتا ہوں۔اتنا سب نہ بنوایا کریں۔اکیلے ہلکان ہوتی ہیں کچن میں آپ۔''

''اکیلے کہاں بیٹا۔ملازمہ ہے میرے پاس۔وہی کروا دیتی ہے۔لیکن...'' انہوں نے نرمی سے اسے پکارا۔''بیٹے... آپ کشمالہ سے بات کر رہے تھے؟''

''جی۔''اس نے موبائل رکھتے ہوئے فریج کھولا اور پانی کی بوتل نکالی۔آج اس کی چھٹی تھی اور وہ گھر پہ تھا۔اس لیے آرام دہ لباس میں ریلیکسڈ نظر آ رہا تھا۔

''آپ کو کشمالہ سے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ وہ اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔''

''لیکن امی وہ اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔''وہ فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔''ایسے اگر وہ خود کو پس پشت ڈالتی رہی تو وہ یہ قیمتی سال ضائع کر دے گی۔''

''ہاں بیٹے میں آپ کی بات سمجھ سکتی ہوں۔آپ ٹھیک کہہ رہے ہو۔لیکن آپ کو اسے یہ نہیں کہنا چاہیے۔''وہ اوپری کیبنٹ سے ٹفن باکسز نکالنے لگیں۔زیادا اپنی جاب کی وجہ سے شہر کے دوسرے کونے میں رہتا تھا۔وہ ہفتے میں ایک دفعہ یہاں آ کے اس کا فریج بھر جاتی تھیں۔

''امی آپ مجھے جانتی ہیں۔میں وہ کہتا ہوں جو مجھے ٹھیک لگتا ہے۔''وہ ان کے ساتھ آ کھڑا ہوا اور اوپری کیبنٹ سے ان کو باکسز نکال نکال کے دینے لگا۔وہ مسکرا کے اسے دیکھے گئیں۔

''خود حورے آپا بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ وہ نہیں چاہتیں ان کی وجہ سے ان کی بیٹی اپنی زندگی ضائع کرے۔اور اب تو وہ ٹھیک ہیں۔معید کا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ ماں کا خیال رکھ سکتا ہے۔فوراً نہیں لیکن سال بھر میں ہم شادی

www.facebook.com/nemrahahmed.official

کر سکتے ہیں۔ یہ باتیں میں اس کی فیملی سے طے کر سکتی ہوں' بیٹے۔ لیکن آپ کو اس کو یہ احساس نہیں دلانا چاہیے۔ لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں۔ ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔"

"ہوں۔" وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے' ہتھیلیاں کاؤنٹر ٹاپ پہ جمائے کھڑا سوچنے لگا۔ "اس طرح تو میں اس سے کبھی دل کی بات نہیں کہہ سکوں گا۔ مجھے ہر بات پہ سوچنا پڑے گا کہ وہ بہت حساس ہے؟"

"نہیں بیٹے۔ ایک دفعہ شادی ہو جائے تو میاں بیوی کو ایک دوسرے کی سمجھ آ جاتی ہے کہ دوسرے کا مطلب وہ نہیں ہے۔ یوں فون پہ آپ کہو گے تو برا لگے گا۔"

وہ اب ایک باکس سے کھانا دوسرے میں پلٹ رہی تھیں۔ پھر ڈھکن بند کیا اور سنک کی طرف بڑھیں۔ نل کھول کے ہاتھ دھوتے ہوئے انہوں نے بات جاری رکھی۔

"کشمالہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اور اتنے عرصے بعد آپ کسی لڑکی کے لیے مانے ہو۔ میں تو بہت خوش ہوں۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہو بیٹے کہ وہ آپ سے شادی کے لیے رضامند ہو جائے تو آپ کو اس کی حساسیت کا خیال رکھ کے اس سے بات کرنی ہوگی۔ اس کو دکھی کر کے تو نہیں مجبور کرنا شادی کے لیے۔"

"کیا میں نے اسے دکھی کر دیا؟" وہ فکرمند ہوا۔ نگینہ بیگم نے محبت سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"اس کو کال کر کے اس سے معذرت کر لینا۔ آپ نے اس کو محبت سے بیاہ کے لانا ہے۔ ایک نئی زندگی کی شروعات دل دکھانے سے نہیں ہونی چاہیے۔"

زیاد نے مسکرا کے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ "تھینکس امی۔ میں اس سے سوری کر لوں گا۔ اور آئندہ بھی خیال رکھوں گا کہ کشمالہ کا دل میری وجہ سے نہ دکھے۔ آپ بتائیں آپ کی ملازمہ ٹھیک کام کر رہی ہے؟"

"بس گزارا کر دیتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں ایک بازو میں درد رہنے لگا ہے۔" وہ بار بار اپنے ایک بازو اور گردن کو دبا کے کہہ رہی تھیں۔ زیاد چونکا۔

"اپائنٹمنٹ لوں؟"

"نہیں بیٹے۔ یہ درد مجھے بیماریوں کے درد نہیں لگتے۔ بس ہمارے رشتے داروں کی نظریں ہیں۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ مسکرا کے اب ٹفن اس کے فریج میں رکھ رہی تھیں۔

اتنے عرصے بعد بالآخر کشمالہ کی صورت میں ان کے گھر میں خوشی آنے والی تھی۔ ہر ماں کی طرح نگینہ بیگم بہت خوش تھیں۔ انہوں نے تو ابھی سے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ بری کیسے اور کب بنانی ہے۔ فنکشن کہاں رکھیں

www.facebook.com/nemrahahmedofficial

گے۔ کس کو بلانا ہے اور کس کو نہیں۔

بس کشمالہ مان جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر آئی تو چپ چپ سی تھی۔ دل اداس تھا۔ ماں سو رہی تھیں۔ وہ ان پہ ایک نظر ڈال کے لان میں آ گئی۔ گارڈ چیئر خالی رکھی تھی۔ دل چاہا سلیم سے کہے کہ اس کرسی کو ہٹا دے۔ جب اس پہ بیٹھنے والا ہی موجود نہیں ہے تو کیا فائدہ۔ لیکن پھر نہیں کہا۔ سوچا ماہی یا صفورا کو کال ملا کے ان سے پوچھے کہ کیا وہ بوڑھی ہو رہی تھی؟ لیکن نہیں پوچھا۔

آج ماں کے سارے کام کرتے ہوئے اس نے ان سے بھی زیادہ بات نہیں کی۔ دل بہت برا ہو رہا تھا۔ وہ چپ چاپ سر لپیٹ کے سونے لیٹ گئی۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ لیکن وہ آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ یہ احساس کہ وہ اپنی زندگی ضائع کر رہی ہے، بہت دل ڈبو دینے والا تھا۔

صبح وہ کام پہ آئی تو اس کا چہرہ ویران تھا۔ اس نے لمبی سبز قمیض کے نیچے سفید ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ دوپٹہ گردن میں مفلر کی طرح لپیٹ کے دونوں پلو آگے ڈالے ہوئے تھے۔ بندھے ہوئے بالوں کے اوپر سلک کا سبز رومال لپٹا تھا۔ اور دائیں گال پہ ایک دانہ نکلا ہوا تھا۔

وہ ویران چہرہ لیے گلاس وال کے ساتھ فرش پہ بیٹھ گئی۔ گلاس وال کا نچلا حصہ اچھا خاصہ پینٹ ہو چکا تھا۔ وہ سر جھکا کے اپنے پینٹ نکالنے لگی۔

تبھی پلیٹوں، کانٹوں کے ٹکرانے کی آوازوں کے درمیان اسے شناسا آوازیں سنائی دیں۔ اوہ۔ اس نے ماتھے کو چھوا۔ اس کی لاہور کی دوستوں نے کہہ رکھا تھا کہ آج وہ گلاس ٹاؤن میں گیٹ ٹوگیدر کریں گے۔ انسٹا پہ انہوں نے اسے پیغام بھیجا تھا لیکن کل سے اس نے فون آف کر رکھا تھا۔ اب وہ لڑکیاں سامنے سے آتی نظر آئیں تو مالا کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ وہ تو تیار بھی نہیں ہوئی تھی۔ صد شکر کہ وہ گلاس وال کے باہر باغیچے میں بیٹھ گئی تھیں۔ وہ اندر تھی اور فرش پہ تھی۔ شیشہ دھندلایا ہوا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نہ ان کو معلوم تھا کہ وہ وہاں پینٹ کرتی ہے۔ اس نے صرف کام کا بتایا تھا۔ جب تک وہ اسے نہیں دیکھیں گی، وہ یہیں چھپی رہے گی۔ آج اسے کسی سے نہیں ملنا تھا۔ ان چاروں سے تو ہرگز نہیں۔

وہ چاروں اس کی کلاس فیلوز تھیں۔ اور شادیوں کے بعد سیٹل ہو چکی تھیں۔

''تم نے انسٹا پہ شہرین کی اسٹوری دیکھی؟'' ان کی گفتگو شروع ہو چکی تھی۔ ''اس نے اپنی برتھ ڈے پہ بنٹو کاظمی کا

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

جوڑا پہنا ہوا تھا۔ نیا نیا پیسہ آیا ہوا ہے۔"

"ہاں شہرین اپنے آن لائن بزنس سے کمار ہی ہے۔ اب وہ ڈینا اور بنٹو پہنتی ہے۔"

"یار وہی نا۔ نیا پیسہ ہی ہے۔"

وہ بارش کے قطرے بناتے ہوئی شدید اکتا رہی تھی۔ لاہور کی سوشلائیٹس کی گفتگو انہی باتوں کے گرد گھومتی تھی۔ کسی کے پاس نیا پیسہ آرہا ہے تو کیوں آرہا ہے؟ کون سستے برانڈ پہنتا ہے اور کون انویسٹمنٹ پیس میں انویسٹ کرتا ہے۔ بچوں کی اسکولنگ۔ اور فلپینو ملازمائیں۔

پھر باتیں گوسپ کی طرف چلی گئیں۔ ایک لڑکی بتا رہی تھی کہ انسٹا پہ ان کے سوشل سرکل کی کس کس خاتون نے نقلی برانڈ پہن کے تصویریں کھنچوا رکھی تھیں۔

"ہونہہ۔ سینتورینی پہنچ گئی علیزے لیکن نقلی برانڈز پہننا نہیں چھوڑے اس نے۔"

جب گوسپ ختم ہوئی تو وہ ذکر شروع ہوا جو ہر ایک کی دکھتی رگ ہوتا ہے اور جس سے اکیسویں صدی میں ایک دوسرے کو نیچا دکھایا جاتا ہے۔

سفر کے قصے۔

"یار صلہ .... تم کتنے عرصے سے یہاں ہو۔ ٹریول کیوں نہیں کرتی ہو۔"

مالا نے برش پھیرتے ہوئے گہری سانس لی۔ ٹریولنگ۔ یہ وہ موضوع تھا جس پہ لاہوری سوشلائٹس گھنٹوں بول سکتی تھیں۔ جو گزشتہ ایک سال سے پاکستان سے باہر نہ گیا ہو وہ ایسے مواقع پہ سخت شرمندہ ہوتا تھا۔ اور دوسرے اپنے سفر کے قصے سنا کے اسے مزید برا محسوس کرواتے تھے۔

وہ چپ چاپ اپنی چیزیں سمیٹ کے وہاں سے کھسک آئی اور سیدھی ریستوران کے واش روم میں چلی گئی۔ آج پھر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔

وہاں جھریاں نہیں تھیں۔ سر میں پانچ چھے سفید بال البتہ ویسے ہی تھے۔ اگر وہ بھی اب تک شادی کر چکی ہوتی تو اس کی پریشانیاں یہی ہوتیں۔ فلپینو نینی۔ شوہر کا کاروبار۔ ٹریول۔ بچوں کی اسکولنگ۔ ان لڑکیوں کی زندگی مکمل تھی۔ صرف اس کی ادھوری تھی کیونکہ اس نے شادی نہیں کی تھی۔

اس کا دل مزید خراب ہونے لگا۔ زیادہ کی باتیں، ان لڑکیوں کی چمکتی دمکتی زندگیاں، ہر چیز ایک دم خود پہ حاوی ہونے لگی۔ اس نے ہاتھ دھوئے اور چہرے پہ پانی ڈال کے باہر نکل آئی۔ اپنی الجھنوں میں اس نے غور نہیں کیا کہ

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

بائیں گال پہ گرے پینٹ لگا ہوا ہے جو اس کے آستین کے کف کے ساتھ چہرے تک پہنچا تھا۔

گیلے چہرے اور پینٹ کے داغ سے لاعلم وہ باہر نکلی۔ ابھی وہ ریستوران کی بیرونی ایگزٹ تک پہنچی ہی تھی کہ....

''کشمالہ۔''

آواز پہ اس کا سارا وجود جیسے نمک کا مجسمہ بن گیا۔ حالانکہ ابھی تک اس نے مڑ کے نہیں دیکھا تھا۔

یہ آواز.... یہ آواز...

مالا اپنی ایڑھیوں پہ گھومی۔

سامنے... لابی کے دہانے پہ... وہ کھڑا تھا۔

کیف جمال۔

''تم؟'' وہ بے یقین تھی۔

کیف مسکراتے ہوئے قدم قدم چلتا اس کے سامنے آرکا۔ بالکل سامنے۔ سیاہ جینز پہ پہنی سفید ڈریس شرٹ کے کف موڑ رکھے تھے اور کالر کے نیچے دو بٹن کھلے تھے۔ شرٹ آدھی جینز میں اڑسی تھی' اور آدھی باہر تھی۔ کندھوں پہ سیاہ بیک پیل ڈالے' وہ بڑھی ہوئی شیو اور بھوری آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

''جی میں۔ کیف۔''

وہ سامنے آیا تو ایک دم ساری دنیا میں روشنیاں بکھر گئیں۔ اسے معلوم ہی نہ ہوا اور کب ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

''تم یہاں کیسے؟'' وہ اتنی حیران تھی کہ بیان نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اتنی خوش تھی کہ اندازہ نہیں کر سکتی تھی۔

''میں لاہور چھوڑ کے جا رہا تھا۔ سوچا جاتے جاتے آپ سے اپنی آدھے مہینے کی تنخواہ لیتا جاؤں۔ گھر گیا تو معید نے بتایا کہ آپ یہاں ملیں گی۔''

''یعنی تم صرف تنخواہ لینے آئے ہو؟'' وہ بھی مسکرا دی۔

''آپ کو یقین نہیں آ رہا؟''

''اب تو تمہارے پاس کافی پیسے ہیں۔ میرے چند ہزار کی کیا اہمیت؟''

''کس نے کہا مجھے تنخواہ نوٹوں میں چاہیے؟''

www.facebook.com/nemrahahmed.official

کشمالہ مسکرادی۔

''چلو کافی پیتے ہیں۔''اس نے پیشکش کردی لیکن پھر ہال کے دوسرے کونے کی طرف دیکھا جہاں گلاس وال کے پار بیٹھی لڑکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔وہ چمکتی دمکتی لڑکیاں ہاتھ ہلا ہلا کے باتیں کر رہی تھیں۔قہقہے لگا رہی تھیں۔

کیف نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔پھر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔وہ ان لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے کسی سوچ میں گم ہوگئی تھی۔

''اتنی سی زندگی ہے' کشمالہ۔اس کو ناپسندیدہ لوگوں کو برداشت کرنے میں کیوں گزاریں؟''

وہ پورے دل سے مسکرادی۔

''پھر کہاں چلیں؟''

''جہاں لوگ سچے اور باتیں سادہ ہوں۔''وہ مسکرایا تو گال کا گڑھا گہرا ہوا۔''اگر آپ مجھے ایک ایسی جگہ چائے پلادیں جہاں کی چائے میں پینا چاہتا ہوں' تو سمجھیں آپ نے تنخواہ برابر کردی۔''

وہ تنخواہ اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرچکی تھی لیکن شاید کیف نے فون کے ساتھ اس اکاؤنٹ کو بھی نہیں دیکھا تھا۔لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی اپنا بینک اکاؤنٹ نہ چیک کرلے؟ خیر اسے کیا۔

اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کے گال پہ سرمئی پینٹ لگا ہے۔بس پینٹ اسسیریز کا بیگ پیک کندھوں پہ ڈالا' اور اس کے ساتھ چلی آئی۔کسی اور سے وہ اس حلیے میں نہیں مل سکتی تھی۔نگینہ آنٹی اور زیادہ سے تو کبھی بھی نہیں۔لیکن وہ کیف تھا۔وہ مالا کی کمفرٹ زون تھا۔

قریباً پون گھنٹے بعد وہ دونوں دہلی گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔یہ سرخ اینٹوں سے بنا بڑا سا شہر دروازہ تھا۔دروازوں کے نام عموماً ان کے رخ کے حساب سے رکھے جاتے تھے۔یہ دروازہ دہلی کو فیس کرتا تھا۔اس لیے یہ دہلی دروازہ تھا۔والڈ سٹی کے محکمے نے گزشتہ چند برسوں میں قدیم لاہور کے ان چند مقامات کو ریسٹور کیا تھا۔یہ یورپین شہروں کے تاریخی مقامات جیسے صاف ستھرے اور چمکتے دمکتے نہیں تھے۔لیکن پھر بھی یہ سیاحتی معیار پہ پورے اترتے تھے۔

''تم تب سے لاہور میں ہو؟ واپس نہیں گئے؟''وہ تحیر سے کہتے ہوئے دہلی دروازے کے اندر داخل ہورہی تھی۔وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے گردن گھما گھما کے اطراف کو دیکھ رہا تھا۔

www.facebook.com/nemrahahmed.official

''نہیں۔ مجھے اپنا پلان بنانا تھا۔ خاموشی اور تنہائی میں۔''

اندر ایک بارونق بازار تھا۔ دونوں اطراف میں دکانیں تھیں اور ہر طرف سے گلیاں نکلتی تھیں۔ مصالحوں کی خوشبو زور سے نتھنوں میں گھسی۔ مگر اچھی لگی۔

''بنالیا؟''

''جی۔ بنالیا۔'' کیف مسکرایا۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور عزم بھی اسے اچھا لگا۔

''لاہور دوبارہ آؤ گے؟'' وہ ایک بغلی گلی سے نکل کے شاہی حمام کی طرف جارہے تھے۔ دھوپ' شور' مصالحہ جات کی خوشبو... اس سب میں اسے اونچا بولنا پڑ رہا تھا۔

''نہیں آؤں گا۔'' وہ سامنے دیکھ کے قدم اٹھا رہا تھا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ لاہور نے میرا دل توڑا ہے۔ دوبارہ دل تڑوانے نہیں آؤں گا۔'' اس نے مالا کو دیکھے بغیر کہا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ اس نے زارا والی بات جھوٹ میں کہی ہے۔ تا کہ وہ '' کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے'' کا اثر زائل کر سکے۔ پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ تک کیف اور کیف کے ہر قدم پہ اس نے بہت سوچا تھا۔ اس کی پراسراریت ایک طرف۔ اسے نہیں لگتا تھا وہ شادی شدہ تھا۔

وہ شاہی حمام کے داخلی برآمدے میں کھڑا تھا۔ مڑ کے اسے دیکھا جو وہیں گم صم سی کھڑی تھی اور مسکرایا۔

''آپ اپنے لاہور کا تعارف نہیں کروائیں گی مجھ سے؟'' وہ اسے آگے کا اشارہ کر رہا تھا۔ کیا باتوں کے اثر ایسے ہی زائل ہو جایا کرتے ہیں؟

''آف کورس۔ یہ شاہی حمام ہے...'' وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف آئی۔ ''اور یہ شاجہان نے بنوایا تھا۔ علم الدین انصاری نے اس کی تعمیر کروائی تھی۔'' وہ دونوں اب داخلی برآمدے میں کھڑے تھے اور وہ گردن اٹھائے چھت کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں رنگین نقش و نگار اور پھول بوٹے بنے تھے۔

''مغل بہت صاف ستھرے لوگ تھے۔ انہوں نے شہر دروازے کے ساتھ ایک حمام اس لیے بنوایا تا کہ جو بھی لاہور آئے' پہلے غسل کرے اور صاف ستھرا ہو کے شہر میں داخل ہو۔ اگر وہ آج کے لاہور کی آلودگی دیکھ لیتے تو...''

اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''آپ نے کہا اسے شاجہان اور علم الدین انصاری نے بنوایا۔'' وہ گردن اٹھائے چھت کو دیکھتے ہوئے

www.facebook.com/nemrahahmedofficial

بولا۔ ''لیکن عمارتوں کو ان کے معمار تعمیر کرتے ہیں۔ آرکیٹیکٹ۔''

مالا نے کندھے اچکا دیے۔ ''آرکیٹیکٹ تو صرف ڈیزائن کرتے ہیں۔ پیسہ تو شاہجہان نے لگایا۔ اور سپروائز علم الدین انصاری نے کیا۔''

اس نے گردن مالا کی طرف موڑی اور ایک شکوہ بھری نظر اس پہ ڈالی۔

''بلڈنگ بنانے کے لیے سب سے اہم معمار ہوتا ہے۔ لیکن لوگ معماروں کو بھول جایا کرتے ہیں۔ اسی لیے... شاہی حمام کے معمار نے اپنی تصویر ہمیشہ کے لیے یہاں محفوظ کر دی۔'' کیف نے انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔

''کیا؟ کدھر؟'' اس نے حیرت سے سر اٹھایا۔ اسے آج تک معلوم نہیں ہوا تھا کہ شاہی حمام کی داخلی چھت پہ بنے پھول بوٹوں میں معمار نے اپنی بہت سی تصویریں بنا رکھی تھیں۔

''امید ہے اب آپ شاہی حمام کے معمار کو نہیں بھولیں گی۔''

وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو وہاں دن کے باوجود نیم اندھیرا سا تھا۔ زرد بتیوں نے خوبصورت سا سماں باندھ رکھا تھا۔ اندر ماحول ٹھنڈا سا تھا۔ جولائی کی دھوپ اور حدت یہاں کم تھی۔

''کب جانا ہے؟''

''شام چار بجے کی فلائیٹ ہے۔ اسلام آباد کی۔''

مالا نے افسوس سے سر جھٹکا پھر موبائل نکالا اور ماں کو آڈیو نوٹ بھیجنے لگی۔ ''ماں آج مجھے دیر ہو جائے گی۔'' نوٹ بھیج کے سینڈ کیا۔ وہاں سگنل کمزور تھے۔ فون رکھ کے وہ کیف کی طرف مڑی۔

''جانتے ہو شاہجہان کے زمانے میں لوگ واٹس ایپ پہ آڈیو نوٹ کیسے بھیجتے تھے؟''

کیف کی آنکھیں اچھنبے سے چھوٹی ہوئیں۔ ''کیسے؟''

مالا نے مسکراہٹ دبالی۔ اور اسے حمام کے ہال کمرے کے ایک کونے میں جانے کو کہا۔ خود وہ کافی دور دوسرے کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ لاہور آنے والے مہمانوں کو لاہوری سب سے پہلے یہ جادو کا کرتب دکھاتے تھے۔ اسے بھی کیف کو دکھانا تھا۔

اب وہ دونوں کافی دور کونوں میں کھڑے تھے۔ مالا نے دیوار کی طرف منہ کر کے سرگوشی کی۔ ہلکی سی سرگوشی۔

''فلائیٹ پہ پیسے کیوں ضائع کیے؟ بس سے چلے جاتے؟''

سرگوشی نے دیواروں میں سفر کیا اور وہ کئی فٹ دور کیف کے کان کے قریب آ کے گونجی۔ وہ چونک گیا۔ پھر مڑ کے

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

ستائش سے اسے دیکھا جو اپنے کونے میں اتنی خوش کھڑی تھی جیسے یہ جادوئی دیواریں اس نے بنائی ہوں۔ وہ واپس مڑا اور حمام کی دیوار کے کونے میں سرگوشی کی۔

''مجبور آدمی ہوں۔ مذاق نہ بنائیں۔''

کشمالہ بے اختیار ہنس دی۔ اس کی ہنسی بھی سرگوشی کی صورت کیف کو سنائی دی۔ دل پہ پڑا بوجھ بڑھ گیا۔

''اسی لیے کہتے ہیں کہ دیواروں کے کان ہوتے ہیں۔ شاہی حمام کی دیواروں کے کان ہوتے تھے۔'' وہ واپس ہال کے وسط میں آئی اور گردن اونچی کی۔ اوپر سے چھت میں بڑا سا سوراخ تھا۔ وہاں سے سورج کی روشنی مالا کے پینٹ لگے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''یہاں کھڑے ہو کے اگر غسل کرنے والے تولیہ مانگتے تو آواز سیدھی حمام کی ریسیپشن تک جاتی۔ یہ ان کا انٹر کام تھا۔''

''جیسا کہ میں نے کہا' یہ معمار کا کمال تھا۔ کہ اس نے ایسی دیواریں بنائیں جو آوازوں کو سفر کرنے دیتی تھیں۔''

وہ کہتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں چھت کے روشن سوراخ کے عین نیچے کھڑے تھے۔

''جب میں ریستوران آیا تو آپ پریشان لگ رہی تھیں۔ سب ٹھیک ہے؟''

مالا کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ کیف کے ساتھ وہ سب بھول گئی تھی۔ ایک دم سے تلخ حقیقت پھر سے یاد آنے لگی۔

''چلو تمہیں سرجن سنگھ اسٹریٹ دکھاتی ہوں۔ وہاں چائے پیتے ہیں۔'' وہ ٹال گئی۔ اسے یہاں سے نکلنا تھا۔ اسے ڈر تھا یہ دیواریں کان رکھنے کے ساتھ ساتھ یادداشت بھی رکھتی تھیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ بول بیٹھے اور الفاظ امر ہو جائیں۔

گلی سرجن سنگھ اندرون لاہور کی ان قدیم گلیوں میں سے ایک تھی جسے والڈسٹی پروجیکٹ کے تحت صاف کر کے ری اسٹور کیا گیا تھا۔ ریسٹوریشن کا مطلب تھا پینٹ کرنا اور چند گملے اور بتیاں لٹکا دینا۔ اس حصے کو ریسٹور کرنے میں والڈسٹی نے بارہ سال لگائے تھے۔ مگر یہ گلی انسٹاگرام جنریشن کے لیے بہت پرکشش شے تھی جو چند فلٹرز لگا کے اس میں تصاویر کھنچواتے تو لگتا کہ اٹلی میں کھڑے ہیں۔

وہ گلی کے دہانے پہ تھے جب کیف نے پکارا۔

''آپ کو کیا بات پریشان کر رہی ہے؟''

مالا کے قدم وہیں پتھر ہو گئے۔ گلی کے گھروں کی بھوری اینٹوں کی طرح۔

www.facebook.com/nemrata.ahmed.official

''پریشان نہیں ہوں۔سوچ رہی ہوں۔''

وہ قدم قدم چلتا اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔وہ بھوری آنکھیں دھوپ سے چھوٹی کیے ہوئے تھا۔

''کسی نے کچھ کہا ہے نا؟''

سبز رومال والی لڑکی اس کا چہرہ دیکھے گئی۔آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔وہ آج بھی اس کے سامنے کھڑا تھا۔دھوپ کا راستہ روکے۔لیکن دھوپ تو اس کی پشت پہ بھی تھی۔دھوپ تو ہر جگہ تھی۔وہ کہاں تک اس کی ڈھال بن سکتا تھا۔ حقیقت حقیقت تھی۔

''مجھے لگتا ہے میں نے اتنے برس اپنی زندگی ضائع کر دی۔اور اب مجھے سمجھوتے کرنے پڑیں گے۔''

کیف نے اسے مزید غور سے دیکھا۔''کام کے معاملے میں؟''

''شادی کے معاملے میں۔''اس پل گلی سرجن سنگھ کے دہانے پہ کھڑی لڑکی کو بھول گیا کہ وہ اس کا ڈرائیور تھا۔اس وقت وہ صرف دھوپ سے روکنے والی ایک دیوار تھا جو سرگوشیاں سن سکتا تھا۔

''کسی نے آپ کو آپ کی عمر کا احساس دلایا ہے؟''

''یہ حقیقت ہے۔''

''حقیقت ہوتی تو آپ کو خود احساس ہوتا۔مجھے لگتا ہے احساس دلایا گیا ہے۔''

مالا نے گہری سانس لی۔اسے آج کیف پہ اعتبار کرنا تھا۔اس سے بات کر کے وہ پچھتائے گی نہیں۔

''زیاد۔اس نے مجھے پروپوز کیا ہے۔''اس کی آواز گلی سرجن سنگھ میں سرگوشی بن کے گونجی۔''اور جب میں نے وقت مانگا تو اس نے مجھے احساس دلایا کہ میں پہلے ہی بہت وقت ضائع کر چکی ہوں۔''پھر اس نے جلدی سے وضاحت دی۔''زیاد کا کوئی غلط مطلب نہیں تھا۔اس نے بہت شائستگی سے ایک نارمل بات کہی۔بس مجھے لگا کہ...''

''آپ مجھ پہ بھروسہ کرتی ہیں؟''

ایک دم سے ہوا چلنے لگی۔گرم دھوپ میں ٹھنڈی ہوا۔

''ہاں۔''اس کا سر خود بخود ہلا۔اسے کیف پہ کیے گئے تمام شکوک بھول گئے۔

کیف نے مزید کچھ نہیں کہا۔وہ آگے بڑھ گیا۔وہ اس کے پیچھے چلتی آئی۔گلی سرجن سنگھ کے وسط میں ایک بیٹھک بنی تھی۔اس کا نام عثمان کی بیٹھک تھا۔وہ دراصل ایک ریستوران تھا جو قدیم طرز پہ بنایا گیا تھا۔وہ دونوں

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

چند اسٹیپ چڑھ کے اندر آئے تو دیوان خانہ نظر آیا۔ وہ مختلف رنگوں سے سجا تھا۔ اینٹوں والی دیوار پہ رنگ برنگے چنگیر آویزاں تھے۔ چھت سے جھولتے فانوس کانچ کی رنگین بوتلوں سے مزین تھے۔ وہ دونوں وہیں آمنے سامنے موڑھوں پہ بیٹھ گئے۔

''لاہور آئے ہو لیکن تم نے خلیفہ کی خطائی اور فیکے کی مٹھائی نہیں کھائی ہوگی۔''

''مجھے unhygenic چیزیں کھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ صرف چائے پینی ہے۔''

مالا ہنس دی۔ ''تم اتنے نخریلے کیوں ہو؟ آج کھا کے دیکھو۔ یہ صاف ستھری ہوتی ہیں۔ نہیں ہوتے تم بیمار۔''

اس نے وہاں موجود چھوٹے لڑکے کو دو کا اشارہ کیا۔ وہ سمجھ کے باہر چلا گیا۔ وہاں خطائیاں اور کڑک چائے اکٹھی سرو کی جاتی تھی۔

''اب آپ میری بات سنیں۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ اور وہ غور سے سننے لگی۔ رنگین بوتلوں سے بنے فانوس کی مدھم روشنی کیف کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے میں اپنے ٹریک ریکارڈ سے ایک ناکام انسان لگتا ہوں۔ لیکن میں انسانوں کو جانتا ہوں۔ میں وہ چیزیں سینس کر سکتا ہوں جو عام لوگ نہیں کرتے۔ میری بات شاید آپ کو بری لگے لیکن کبھی نہ کبھی آپ کو اس کی ضرورت پڑے گی۔''

''تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہم پھر کبھی نہیں ملیں گے۔''

''ہم پھر کبھی نہیں ملیں گے۔'' وہ اتنے حتمی انداز میں بولا کہ مالا کے دل کو کسی نے مٹھی میں دبایا۔

''کیوں؟''

''تعلقات میں ایک چیز ہوتی ہے ریڈ فلیگ۔'' وہ اس کا سوال نظر انداز کر گیا۔ ''سرخ جھنڈے۔ جب وہ نظر آئیں تو سنبھل جانا چاہیے۔'' اس نے آواز دھیمی کی۔ ''زیاد ایک ریڈ فلیگ ہے۔''

''زیاد بہت اچھا انسان ہے۔''

''میں نے کب کہا وہ برا انسان ہے۔''

لڑکا مٹی کے پیالوں میں چائے اور خطائیوں کی پلیٹ لے آیا تھا۔ ان دونوں نے ساتھ ساتھ اپنے کپ اٹھائے۔ وہ میٹھا نہیں کھاتی تھی لیکن اندرونِ شہر کی خطائیوں کی الگ بات تھی۔ اس نے ایک خطائی اٹھالی اور چائے میں ڈبونے لگی۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''یقیناً زیادایک بہت اچھاانسان ہوگالیکن آپ کااس کے ساتھ گزارانہیں ہو سکے گا۔''

اس نے مٹی کا پیالہ گھونٹ بھر کے نیچے کیا۔ چہرے پہ جھنجھلاہٹ تھی۔

''تم مجھے زیاد کے خلاف کیوں کر رہے ہو؟''

کیف نے گہری سانس لی۔

''کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کو ہرٹ کرے گا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی آپ کو ہرٹ کرے۔ خود میں بھی نہیں۔''

وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ عثمان کی بیٹھک میں اب صرف خاموشی تھی۔ یا خطائیوں کی خوشبو۔

دفعتاً گلی کی کسی کھلی کھڑکی سے کسی کے گانے کی آواز آنے لگی۔ ایک چھوٹی سی ڈھول نما شے گلے میں ڈالے اس کو چمچے سے پیٹتے ہوئے ایک آدمی کوئی پنجابی لوک گیت گا رہا تھا۔ اسے معلوم ہوگیا تھا کہ عثمان کی بیٹھک میں سیاح آئے بیٹھے ہیں۔

''تم نے مجھے کبھی ہرٹ نہیں کیا' کیف۔ نہ کر سکتے ہو۔''

لیکن کیف نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے چہرے پہ ملال تھا۔ وہ خود کو سزا سنا چکا تھا۔

وہ آج اس کی زندگی سے نکلنے کے لیے آیا تھا۔ گزشتہ چھے ہفتے کشمالہ سے دور رہ کے وہ یہی سوچتا رہا تھا۔ کیا اسے کشمالہ کو حقیقت بتا دینی چاہیے؟ حقیقت بتانے کے بعد وہ اس سے معافی مانگ سکتا تھا۔ لیکن اگر مالا نے اسے معاف کر دیا؟ تو پھر؟ سزا تو نہ ملی۔ اور کیف کو اپنے کیے کی سزا خود کو دینی تھی۔

اس نے اس لڑکی کے ساتھ دھوکہ کیا تھا۔ اس کی سزا یہی تھی کہ کشمالہ اس کو کبھی معاف نہ کرے۔ اور وہ اس گناہ کا بوجھ ساری عمر اٹھاتا رہے۔ وہ اس لڑکی کے قابل نہیں تھا۔ وہ اسے حقیقت بتا کے مزید ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''کر سکتا ہوں۔'' وہ بولا تو اس کی آنکھیں زخمی تھیں۔ ''شاید کر چکا ہوں۔ کبھی آپ کو میرے بارے میں کچھ سننے کو ملے تو...'' وہ رکا۔ اس کا جرم قابل معافی نہیں تھا۔ ''تو بے شک مجھے معاف نہ کیجئے گا۔ بس اتنا یاد رکھیے گا کہ میں مجبور تھا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ شاید ہوں۔ لیکن میں نے ہمیشہ آپ کی حفاظت کرنی چاہی ہے۔ میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''کھل کے کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔ کیونکہ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے کیف۔ تم جب چاہو جاب پہ واپس آ سکتے ہو۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ اسے معلوم تھا وہ یہ کہے گی۔ وہ کبھی نہ کبھی یہ کہے گی اور یہ ایک فقرہ اس کے قدموں کی زنجیر بن جائے گا۔ پھر وہ خود کو سزا کیسے دے گا۔ اس نے زارا کو اپنی بیوی بتانے کا جھوٹ اسی لیے بولا تھا۔ تا کہ وہ اس تک جاتے سارے راستے بند کر دے۔ وہ چھ ہفتے اس سے دور اسی لیے رہا تھا۔ تا کہ وہ اسے بھول جائے۔

لیکن کشمالہ مبین ایسی لڑکی نہیں تھی جو گزرے وقت کے ساتھ بھول جائے۔

''میں جاب پہ واپس نہیں آ سکتا۔'' اس نے خود پہ جبر کر کے الفاظ جوڑے۔ ''میں نے کہا نا ہم آج کے بعد نہیں ملیں گے ورنہ ہم دونوں کی زندگیاں پیچیدہ ہو جائیں گی۔''

رنگین بوتلوں سے بنا فانوس ہوا سے ذرا ذرا سا جھولنے لگا تھا۔ گانا گاتے پنجابی گویے کی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

''جہاں تک رہا زیاد... تو اس سے شادی سوچ سمجھ کے کیجئے گا۔ زیاد آپ کو ہرٹ کرے گا اور بہت ہرٹ کرے گا۔ وہ نارسیسسٹ ہے۔ پیٹر پین سنڈروم۔''

''Peter Pan Syndrome?''

اسے حیرت ہوئی۔

کیف نے اثبات میں سر ہلایا۔

"All boys grow. Except Peter Pan. The boy who doesn't grow up."

(تمام لڑکے بڑے ہو جاتے ہیں سوائے پیٹر پین کے۔ یہ وہ لڑکا ہے جو کبھی بڑا نہیں ہوتا۔)

وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔ اسے یقین تھا کہ کیف غلط کہہ رہا تھا۔

''کبھی بھی پیٹر پین کے لیے ویںڈی مت بننا' کشمالہ۔ اور جہاں تک بات ہے عمر کی...'' کیف مسکرایا۔ اور وہ بھی اس کو دیکھ کے مسکرا دی۔ وہ مسکراتا تھا تو اس کی ساری کلفت دور ہو جاتی تھی۔ ''تو عمر صرف ایک نمبر ہے۔ سر کے بال خود سے سفید نہیں ہوتے۔ ہم سفید بال کماتے ہیں۔ چہرے پہ جھریاں خود سے نہیں آ جاتیں۔ یہ کمائی جاتی ہیں۔ یہ ہمارے تجربے اور عقل کے پختہ ہونے کی قیمت ہے۔''

پھر اس نے دل پہ انگلی رکھی۔ ''بس دل مطمئن ہونا چاہیے۔ اگر دل شادی کے بغیر خوش نہیں ہے' تو شادی کر کے بھی خوش نہیں ہو گا۔ اگر آپ گلی سرجن سنگھ میں خوش نہیں ہیں تو اٹلی کی گلیوں میں بھی خوش نہیں ہوں گی۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

مالا نے ایک نظر خطائیوں کی پلیٹ کو دیکھا۔ کیف نے ان کو چھوا تک نہیں تھا۔ اس نے ایک خطائی اٹھائی اور اس کی طرف بڑھائی۔

''کیا واقعی اب لاہور نہیں آؤ گے؟''

"نہیں آؤں گا۔" اس نے خطائی پکڑ لی لیکن کھائی نہیں۔

''او کے۔ لیکن محنت کرنا مت چھوڑنا۔ اگر تمہارا بزنس پلان کوئی قبول نہ کرے تو وہ لوگ اس کے قابل نہیں ہوں گے۔ تم نئے لوگ ڈھونڈنا۔''

اس کی نصیحت پہ وہ مسکرایا۔ اور خطائی جیب میں ڈال لی۔

''اور آپ تعلقات میں سرخ جھنڈوں کو نظر انداز نہیں کریں گی۔''

مالا نے مسکرا کے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ اس بارے میں سوچے گی۔

''اور اگر میرے بارے میں کچھ برا سنیں تو مجھے بے شک معاف مت کیجئے گا۔ میں مجبور تھا۔''

مالا نے پھر سے سر ہلا دیا۔ کچھ تھا جو کیف جمال میں ہمیشہ پراسرار سا تھا۔ کچھ جو وہ چھپاتا تھا۔ لیکن اس نے کریدا نہیں۔ کیونکہ وہ نہیں بتائے گا۔

''میری فلائٹ کا وقت ہونے والا ہے۔''

''میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے پیشکش کی۔ کیف کے پاس کار نہیں تھی۔ وہ اس کو ایک آخری سہولت دینا چاہتی تھی۔

ائیر پورٹ کے سارے راستے وہ خاموش رہا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ وہ اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ جب ائیر پورٹ آیا تو کیف نیچے اتر گیا لیکن اسے اترنے سے منع کر دیا۔

''میں چلا جاؤں گا۔'' اس کی کھڑکی کے پاس رک کے اس نے کہا۔ وہ اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ رکھے گردن اٹھائے باہر کھڑے کیف کو دیکھ رہی تھی۔ کیا واقعی وہ اب کبھی لاہور نہیں آئے گا؟

''کشمالہ...'' اس نے ایک آخری نظر اس پہ ڈالی۔ اور جیب میں رکھی خطائی کے بوجھ کو محسوس کیا۔ ''آئی ایم سوری۔ ہر چیز کے لیے۔''

وہ کس چیز کی معافی مانگ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکی۔ بس سر ہلا دیا۔ وہ کیوں اتنا پراسرار تھا؟

مالا کی کار آگے بڑھ گئی تو کیف جمال نے مڑ کے ائیر پورٹ کی طرف دیکھا۔ سامنے ڈومیسٹک فلائٹس کا بورڈ

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

نظر آ رہا تھا۔

کیف نے واپس پلٹ کے اس کی کار کو دیکھا۔

وہ دور جا رہی تھی۔

کیف نے دوبارہ بورڈ کو دیکھا۔ اور پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ لیکن وہ اس طرف نہیں گیا۔ وہ وہیں رکا کھڑا رہا۔ اس کی نظریں مالا کی دور جاتی کار پہ جمی تھیں۔

اسے کشمالہ کے کافی دور جانے کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر واپس آئی تو اسے معلوم نہ تھا کہ اس کے گال پہ پینٹ لگا ہوا ہے۔ یہ تو جب ماں نے بتایا کہ چہرہ آئینے میں دیکھو تو وہ حیران سی کمرے میں آئی۔ اور ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پہ نظر ڈالی تو اوسان خطا ہو گئے۔

اوہ نو۔ میں اس پینٹ کے ساتھ پھرتی رہی اور کیف نے مجھے بتایا تک نہیں۔ بدتمیز۔

اسے پہلے غصہ آیا اور پھر ہنسی۔ چہرہ دھو کے وہ باہر آئی اور فون نکال کے آن کیا۔ صفورا کے میسیجز آئے ہوئے تھے۔

''کدھر غائب ہو مالا؟''

اس کا موڈ اچھا تھا۔ اس نے فوراً کال ملا لی۔ اور گیلا چہرہ سکھاتے ہوئے وہیں کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گئی۔

''تم آج صلہ وغیرہ کے ساتھ برنچ پہ نہیں تھیں۔ میں نے ابھی انسٹا پہ ان کی اسٹوریز دیکھی ہیں۔ مجھے تمہاری فکر ہونے لگی۔ تم ٹھیک ہو؟ امی ٹھیک ہیں؟''

''ہاں اب میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بشاشیت سے بولی۔ ''کیف کی کمپنی ہمیشہ مجھے ٹھیک کر دیتی ہے۔''

''کیف؟ اس نے تو جاب چھوڑ دی تھی؟''

''ہاں۔ لیکن وہ تب سے لاہور میں ہی تھا۔ آج اسلام آباد جا رہا تھا تو مجھ سے ملنے آیا۔ ہم ایک ساتھ پرانے لاہور میں گئے۔''

صفورا خاموشی سے سنتی رہی۔

''میں اسے کبھی کبھی سمجھ نہیں پاتی ہوں۔ وہ کیا چاہتا ہے؟ اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ اس نے خاندان والوں سے چھپ کے شادی کر رکھی ہے۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''ناممکن۔''

''مجھے بھی یقین نہیں آتا۔''

''مالا.... کل مجھے لاہور آنا ہے۔''صفورا سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔''کیف کیا چاہتا ہے اس کو ذرا بیٹھ کے ہم ڈسکس کریں گے۔''

صفورا اس کی کوئی بہترین دوست نہیں تھی لیکن وہ سمجھدار لڑکی تھی اور ہمیشہ اچھا مشورہ دیتی تھی۔ کیف نے اسے اتنا الجھا دیا تھا کہ وہ اب واقعی صفورا کے ساتھ بیٹھ کے اس معاملے کو ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات بھر وہ کیف کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ زیاد کے لیے ہاں نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ کیف نے اسے الجھا رکھا تھا۔ کیا وہ اس میں دلچسپی رکھتا تھا؟ پھر وہ کیوں چاہتا تھا کہ خود کو مالا سے دور کر دے؟ وہ کس سے بھاگ رہا تھا؟ جب تک اس کا ذہن کلیئر نہ ہو، وہ کیسے زیاد سے ایک نیا تعلق بنا سکتی تھی؟

اگلی صبح صفورا کا فون آ گیا۔ وہ لاہور آ چکی تھی اور اپنی امی کے گھر تھی۔ اس نے مالا سے وہیں آنے کو کہا۔ وہ بھی اس سے اپنے گھر نہیں ملنا چاہتی تھی۔ اسے کھل کے صفورا سے بات کرنی تھی۔ وہ کیف کی کزن تھی۔ وہ اسے مالا سے بہتر طور پہ جانتی تھی۔

وہ صفورا کے گھر پہنچی تو دوپہر روشن تھی۔ ملازم اسے سیدھا ڈرائینگ روم میں لے آیا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو صفورا وہیں بیٹھی تھی۔ مالا کو حیرت ہوئی۔ وہ اسے لینے باہر نہیں آئی۔ نہ وہ اس سے ملنے کے لیے اٹھی۔ بس اس نے سر اٹھا کے تیار سی مالا کو دیکھا جو گلابی چکن کاری کی لمبی قمیض اور دوپٹے میں ملبوس تھی۔ سفید ٹراؤزر کے ساتھ سفید ہائی ہیلز پہنے، وہ بال کھولے فریش سی لگ رہی تھی۔

صفورا اس کے برعکس تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ اور گیلی تھیں۔

''بیٹھو مالا۔ ہمیں بات کرنی ہے۔''

کچھ غلط تھا۔ اس سارے منظر نامے میں کچھ غلط تھا۔ کچھ جو وہ نہیں جانتی تھی۔ کیا کیا ہے کیف نے؟

گلابی لباس والی لڑکی ایک صوفے پہ بیٹھ گئی۔ اس کی سبز آنکھوں میں الجھن تھی۔ اس کے بھورے بال چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے جنہیں وہ کان کے پیچھے نہیں اڑس رہی تھی۔

''صفورا تم ٹھیک ہو؟''

www.facebook.com/nemrahahmed.official

صفورا چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔ اس نے رف سا لباس پہن رکھا تھا اور وہ بنا میک اپ کے تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ وہ ایک ویل ڈریسڈ، ہمیشہ ٹپ ٹاپ سے رہنے والی ورکنگ وومن تھی۔ ہارڈ کور فیمینسٹ۔ وہ اتنی بجھی بجھی کیوں تھی؟

''مالا مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔'' وہ بولنے لگی تو نظریں گود میں رکھے ہاتھوں پہ تھیں۔ ''مجھے کیف کو کبھی تمہارے پاس جاب نہیں دلوانی چاہیے تھی۔''

''کیا کیا ہے کیف نے؟''

''کیف نے ہم دونوں کو دھوکہ دیا ہے۔'' صفورا نے گیلی آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں افسوس بھی تھا اور غصہ بھی۔

مالا ہتھیلیاں اپنے دائیں بائیں صوفے پہ رکھے کنارے پہ یوں بیٹھی تھی جیسے غیر آرام دہ ہو۔

''کیا مطلب؟ کیسا دھوکہ؟''

''کیف تین ماہ پہلے میرے پاس آیا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں اسے تمہارے پاس جاب دلوادوں کیونکہ اس نے کسی سے سنا تھا کہ تمہیں گارڈ کی ضرورت ہے۔''

وہ سناٹے میں رہ گئی۔

''اس کو کیسے معلوم تھا؟''

''میں نے بھی یہی پوچھا لیکن اس نے بات گول مول کر دی۔ اور مالا میں اس وقت تک اتنی تھک چکی تھی ہر دوسرے ہفتے ایک نیا گارڈ تمہارے پاس بھیج بھیج کے کہ میں نے اسے ہاں کہہ دی۔ مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوسوری۔'' صفورا کی آنکھ سے آنسو ٹپکا۔

وہ سانس روکے سن رہی تھی۔

''کیف کو کیسے معلوم کہ مجھے گارڈ چاہیے تھا؟''

''کیونکہ اسے کسی نے کہا تھا کہ وہ میرے ذریعے تمہارے پاس جاب حاصل کرے۔'' صفورا نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''ایک ماہر فرید نامی امیر آدمی نے۔''

اس کے دل پہ کسی نے زور سے مکا مارا۔ ایسے کہ تکلیف سارے بدن کو کاٹ گئی۔ مالا نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ نہیں ہوسکتا۔ ماہر فرید تو میرا تعاقب کار ہے۔ کیف اس کے لیے کام کرتا رہا ہے؟ نہیں۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''ماہر فرید نے اسے مجبور کیا کہ وہ میرے پاس آئے اور مجھے کہے کہ میں اس کی سفارش تم سے کروں۔''

مالا کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ڈرائینگ روم کی کھڑکی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہاں مخمل کے اونچے پردے نفاست سے بندھے تھے۔ باہر لان نظر آ رہا تھا جس کی گھاس دھوپ میں جھلس رہی تھی۔

''یعنی تم یہ کہہ رہی ہو کہ کیف میرے پاس ماہر فرید کے کہنے پہ جاب کر رہا تھا۔'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

صفورا نے جواب نہیں دیا۔ مالا اسی طرح بے یقینی سے بولتی گئی۔

''وہ اتنا عرصہ میری جاسوسی کرتا رہا۔ وہ میرے بارے میں ماہر فرید کو رپورٹ کرتا رہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

''نہیں مالا۔ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

وہ ایک عجیب سا لمحہ تھا۔ کشمالہ چونک کے اپنی دوست کی طرف مڑی۔

''مگر تم نے کہا کہ اس نے ماہر فرید کے کہنے پہ میرے پاس جاب کی۔''

''مالا اگر وہ ماہر فرید کے کہنے پہ تمہارے پاس نوکری کرتا اور تمہاری جاسوسی کرتا تو ہاں کبھی نہ کبھی میں اسے معاف کر دیتی۔ لیکن اس نے یہ نہیں کہا۔''

''کیا کہہ رہی ہو صفورا...''

صفورا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پہ احساسِ جرم تھا۔

''آئی ایم سوسوری مالا۔''

''کیا کیا ہے کیف نے؟''

''اس نے مجھے کہا کہ میں اس کو تمہارے پاس جاب انٹرویو کے لیے بھیجوں، میں نے بھیج دیا لیکن...''

کشمالہ کا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''لیکن کیف تمہارے پاس انٹرویو کے لیے نہیں گیا۔''

اس عجیب سے لمحے میں کشمالہ مبین کی ساری دنیا تھم سی گئی۔

''میرا کزن کیف جمال تمہارے پاس کبھی نہیں آیا' مالا۔ اس نے کبھی تمہارے پاس جاب نہیں کی۔ تم کیف جمال سے کبھی نہیں ملیں۔''

www.facebook.com/nemra.ahmed.official

صفورا ڈرائینگ روم کے دروازے تک گئی اور کسی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

کشمالہ کی نظریں چوکھٹ کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں ایک نوجوان چلا آ رہا تھا۔ خوش شکل۔ لیکن درمیانے قد کا۔ ماتھے پہ بکھرے بال۔ چہرے پہ بڑھی شیو۔ پیروں میں مٹیالے سفید جوگرز۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''یہ میرا کزن کیف جمال ہے۔'' صفورا بولی تو آواز میں غصہ بھی تھا اور دکھ بھی۔

کشمالہ نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ کیف نہیں ہے۔'' وہ چند قدم پیچھے ہٹی یہاں تک کہ وہ مخمل کے پردے کے ساتھ جا لگی۔

''یہ کیف نہیں ہے۔''

اس اجنبی نوجوان نے پشیمانی سے سر اٹھایا۔ وہ اس چہرے کو نہیں جانتی تھی۔

''یہی کیف ہے۔ میرا کزن کیف۔''

''پھر وہ کون تھا؟ وہ جو ڈیڑھ ماہ میرے گھر میں رہا۔ وہ جو میرے اتنا قریب رہا۔ وہ کون تھا؟''

وہ بولی تو اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ شاک۔ خوف۔ بے یقینی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند لمحے کے لیے ہم اس ہوٹل سوئیٹ میں ہوئی ملاقات کی طرف واپس جاتے ہیں۔

''اب میں تمہیں ایک تیسری بات بتاتا ہوں' کیف جمال۔'' ماہر فرید کی آواز میں سختی در آئی۔ وہ کیف کے سامنے کھڑا تھا۔

''تمہارے خیال میں اتنے پرسنل معاملے کے لیے میں تم جیسے لوزر کو کیوں ہائر کروں گا؟''

اس طرزِ تخاطب پہ کیف جمال کے کانوں کی لوئیں سرخ ہوئیں۔

''شاید اس لیے کہ میرے پاس کچھ ایسا ہے جو آپ کو چاہیے۔''

''درست۔'' ماہر فرید نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جانتے ہو وہ کیا ہے؟''

کیف نے سوچنے کی کوشش کی۔ وہ ایک ناکام اور مقروض انٹرپرونیئر تھا۔ ایک عام سا فوٹوگرافر جسے ہر کوئی لوزر کہتا تھا۔

اس کے پاس ایسا کیا تھا جو ماہر فرید کو چاہیے تھا؟

''سوچ لیا۔ نہیں سمجھ میں آیا؟ اب میں بتاتا ہوں۔'' ماہر فرید بولا تو اس کی آنکھوں میں استہزاء تھا۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''تمہارے پاس....'' وہ رکا۔توقف کیا۔'' کچھ بھی نہیں ہے۔''

صفورا کے کزن کیف جمال کا سانس جہاں تھا' وہیں رہ گیا۔

''سوائے تمہارے نام کے۔ مجھے صرف تمہارا نام چاہیے۔'' ماہر فرید بہت دیر بعد مسکرایا۔

''Lucky name۔'' اسٹرا سے کافی پیتے بیر بل نے لقمہ دیا۔

''میرا نام؟'' کیف متحیر رہ گیا۔'' مگر آپ نے کہا تھا کہ مجھے اس لڑکی کے پاس جاب کرنی ہوگی۔''

''میں نے یہ کبھی نہیں کہا۔ کیا میں نے ایسا کہا مالک؟''

ماہر نے مالک کو دیکھ کے پوچھا۔اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ تم اپنی کزن سے بات کرو گے۔ اسے جاب کے لیے راضی کرو گے۔ جب وہ تمہیں اس لڑکی کے پاس جانے کو کہے گی' تو تم مجھے بتاؤ گے۔اور میں تمہاری جگہ کسی اور کو وہاں بھیجوں گا۔''

بالآخر کیف جمال کی سمجھ میں سارا معاملہ آنے لگا۔ان کو صرف اس کی شناخت چاہیے تھی۔

''مجھے کیوں نہیں؟''

''کیونکہ تم ایک لوزر ہو اور رہو گے۔ میں اتنا اہم کام ایک لوزر سے نہیں کروا سکتا۔ میں کسی ایسے شخص کو وہاں بھیجوں گا جو مضبوط اعصاب کا ہوگا۔ اسٹریٹ اسمارٹ۔ جس کو انسانوں کے چہرے پڑھنے آتے ہوں گے۔ وہ ایسی باتیں سن سکتا ہو جو کسی اور کو سنائی نہیں دیتیں۔ وہ جس پہ میں اعتماد کرتا ہوں گا۔ کیونکہ اس کا اپنا بہت کچھ داؤ پہ لگا ہوگا۔اور تم کیف جمال یہ کام نہیں کر سکتے۔اس لیے گھر جاؤ۔''

اس نے اپنے بھاری ہاتھ سے کیف کا کندھا تھپکا۔

''اور دو ماہ تک میری دی گئی مراعات سے فائدہ اٹھاؤ۔'' پھر وہ قدرے توقف سے بولا۔''تم نے پوچھا تھا کہ تم دو ماہ کے بعد بھی اس لڑکی کی جاب کر سکتے ہو یا نہیں۔تو یہ میرا جواب ہے۔تم اس کی جاب نہ پہلے کرو گے نہ بعد میں۔ میں وہاں کسی اور کو بھیجوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد کیف جمال روپوں کا پیکٹ لیے وہاں سے نکلا تو اس کے کندھے ہلکے تھے۔اسے اگلے دو ماہ کچھ نہیں کرنا تھا۔صرف ماہر فرید کی دی گئی دولت انجوائے کرنی تھی۔زبردست۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انسان کا کا نام اس کی پہچان ہوتا ہے۔اس کی شخصیت نہیں۔ جو انسان ہمیں اپنا جو نام بتاتا ہے' ہم اس کو اسی نام

www.facebook.com/nemrahahmed.official

سے پکارتے ہیں۔

خود کو کیف جمال کہلوانے والا نوجوان اس وقت ائیر پورٹ پہ کھڑا تھا۔اس نے کشمالہ کے جانے کا انتظار کیا اور ایک دفعہ پھر سے ڈومیسٹک فلائٹس کے بورڈ کو دیکھا۔

(میں کسی ایسے شخص کو وہاں بھیجوں گا جو مضبوط اعصاب کا مالک ہوگا۔)

پھر اس نوجوان نے سر پہ پی کیپ پہنی' اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے مخالف سمت میں چلنے لگا۔وہ ڈومیسٹک فلائٹس والے حصے کی طرف نہیں جا رہا تھا۔

(جو اسمارٹ ہوگا۔اسٹریٹ اسمارٹ۔جس کو انسانوں کے چہرے پڑھنے آتے ہوں گے)

پی کیپ والا نوجوان چلتے ہوئے بار بار وقت دیکھتا تھا۔اسے دیر ہو رہی تھی۔

سامنے انٹرنیشنل فلائٹس کا بورڈ چمک رہا تھا۔

(جو وہ باتیں سن سکتا ہو جو کسی اور کو سنائی نہیں دیتیں۔)

وہ سیکورٹی سے گزرنے کے بعد اب ائیر لائن کاؤنٹر کی طرف آ رہا تھا۔مطلوبہ کاؤنٹر کے سامنے چند قطاریں بنی تھیں۔اس نے رک کے دیکھا۔اکانومی کلاس، بزنس کلاس۔

وہ سیدھا بزنس کلاس کی طرف بڑھ گیا۔

(وہ جس پہ میں اعتماد کرتا ہوں گا۔)

بورڈنگ پاس لے کر وہ پاسپورٹ کنٹرول تک آیا۔اور اوورسیز پاکستانیوں (بیرون ملک مقیم پاکستانیوں) کے کاؤنٹر پہ جا کے رکا۔

اپنی باری آنے پہ اس نے ایف آئی اے کے آفیسر کی طرف اپنا نیلا پاسپورٹ بڑھایا۔

(کیونکہ اس کا اس سب میں بہت کچھ داؤ پہ لگا ہوگا۔)

آفیسر نے شیشے کی کھڑکی کے پار سے پی کیپ والے نوجوان کا چہرہ دیکھا اور پھر پاسپورٹ پکڑا (برطانوی شہری۔)

اب آفیسر روٹین کے بے کار سوالات پوچھ رہا تھا۔

"کیمرے میں دیکھیں۔"

نوجوان نے کیپ اتار دی اور ایک سنجیدہ نظر کیمرے پہ ڈالی۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتائیں۔''

وہ اسی سنجیدگی سے پلک جھپکے بنا بولا۔

''ماہر علی فرید۔''

آفیسر نے بورڈنگ پاس دیکھنے کے باوجود پوچھا۔

''کہاں جا رہے ہیں؟''

''استنبول۔''

''کیوں؟''

''گھر ہے وہاں میرا۔ اب جاؤں؟'' لہجے کا اکھڑپن واضح تھا۔ آفیسر نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈالی' اور پاسپورٹ اسٹیمپ کر کے اس کی طرف بڑھا دیا۔

کچھ دیر بعد وہ جہاز کے اندر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ جب جہاز ٹیک آف کر گیا اور نیچے پھیلا لاہور چھوٹا دکھائی دینے لگا تو ترکش ایئر ہوسٹس نے آ کے ایک دفعہ پھر پوچھا۔

''کیا میں آپ کو ویلکم ڈرنک آفر کر سکتی ہوں؟''

''پہلے ترکش قہوہ۔ پھر ٹھیک آدھے گھنٹے بعد اسپریسو ڈبل شاٹ۔'' اس نے سنجیدگی سے حکم دیا اور پیر لمبے کر کے فٹ ریسٹ پہ رکھ لیے۔ پھر فولڈ ٹرے پہ لیپ ٹاپ سیٹ کیا۔ اور اسکرین روشن کی۔ سامنے یوزر اکاؤنٹ کا نام نظر آ رہا تھا۔

KAIF

کیف کو کلک کر کے کھولتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے موبائل پہ واٹس ایپ میسیج ٹائپ کیا۔

''زارا... میں فلائٹ میں ہوں۔ صبح آفس میں ملاقات ہوتی ہے۔''

چند ہزار کلومیٹر دور استنبول کے ڈسٹرکٹ بیشکتاش کے ایک علاقے لیونت میں ایک عمارت کے کارنر آفس میں زارینہ فرید اپنی پاور چیئر پہ بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ سامنے کھلا تھا اور وہ ماہر کا میسیج پڑھ کے مسکرا رہی تھی۔

پھر اس نے انٹر کام اٹھایا اور اپنے ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے ریسیور میں بولی۔

''شبنم۔ ماہر بے واپس آ رہے ہیں۔ اسٹاف کو اطلاع کر دو۔''

اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

www.facebook.com/nemrahahmed.official

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گلابی لباس والی لڑکی سفید چہرہ لیے صوفے کے کنارے بیٹھی تھی۔ وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

کیف جمال سامنے کرسی پہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

وہ ایک عام سا نوجوان تھا۔ ایک لوزر۔

''جو آدمی کیف بن کے آپ کے پاس آیا' وہ خود ماہر فرید تھا۔'' اس فقرے کی بازگشت ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔

''جب کل تم نے فون پہ بتایا کہ تم کیف سے ملی ہو تو میں کھٹک گئی۔ کیونکہ کل ایک فیملی فنکشن پہ کیف ہمارے ساتھ تھا۔ وہ فوٹوگرافی کر رہا تھا۔ میں اسی وقت کیف کے پاس گئی۔ اور پھر اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔'' صفورا نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اس کی آنکھوں سے بے بسی بھرے غصے کے انگارے نکل رہے تھے۔

''بتاؤ سب مالا کو۔''

وہ گم صم سی اس اصلی کیف جمال کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل بھی ''اس'' کیف جیسا نہ تھا۔

''میں ایک صبح اٹھا تو ایک آدمی میرے گھر کے باہر کھڑا تھا۔'' کیف جمال نے اپنی کہانی کا آغاز کیا۔ اس کے پاس یہ کہانی گھڑنے کے لیے تین ماہ کا وقت تھا۔ جب کبھی یہ معاملہ کھلے گا' اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کہنا ہے۔

''لمبی کالے شیشوں والی کار۔ اس نے گن پوائنٹ پہ مجھے کار میں بٹھایا اور ایک ہوٹل لے گیا۔ وہاں ایک لگژری سوئیٹ میں اس نے میری ملاقات ماہر فرید سے کروائی۔''

وہ ساکت سی سن رہی تھی۔

''ماہر فرید خطرناک آدمی تھا۔ ایک سائیکو پیتھ ہے۔ ان کے ساتھ چند اور گارڈز بھی تھے جن کے پاس پستول اور رائفلز تھیں۔ میں ڈر گیا تھا۔''

''تم ڈر گئے تھے یا تم نے ان سے پیسے لیے ہیں؟'' صفورا ابھی تک اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''آپا۔'' کیف جمال نے چہرہ اٹھا کے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''اگر میں نے پیسے لیے ہوتے تو میری حالت بدلی ہوئی نظر آتی۔''

''پھر تم نے اپنے قرضے کیسے ادا کیے؟''

''وہی بتا رہا ہوں۔ وہاں پہنچا تو اس آدمی... ماہر فرید نے کہا کہ اس نے میرے قرضے ادا کر دیے ہیں۔ بدلے

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

میں مجھے اس کو اپنی شناخت دینی ہوگی۔ان کے پاس guns تھیں آپا۔وہ خوفناک لوگ تھے۔میں ڈر گیا تھا۔میں کیا کرتا۔''

خوف.... ہراساں کر دینے والا احساس کشمالہ کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔وہ خطرناک آدمی اتنے دن اس کے قریب رہا۔اگر اسے کچھ ہو جاتا؟

''اس نے میرا آئی ڈی کارڈ وغیرہ لے لیا۔پھر بعد میں' میں نے آپ کو جو اپنی سی وی بھیجی تھی اس پہ تصویر نہیں تھی۔''

کشمالہ چونکی۔اسے یاد آیا اس سی وی پہ کیف جمال کی تصویر نہیں تھی۔مگر کیف... ماہر کے پاس سب کچھ تھا۔آئی ڈی کارڈ۔ہر چیز۔سب کیف کے نام پہ اس کی تصویر کے ساتھ تھا۔وہ پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔

''میں بھی تم سے ملنے نہیں آسکی اتنا عرصہ۔پہلے دبئی پھر تھائی لینڈ چلی گئی۔''صفورا افسوس سے کہہ رہی تھی۔کیف نے شرمندگی سے اسے دیکھا۔

''آپ انٹر پیرونیئرز کی جن ری ٹریٹس پہ دبئی اور تھائی لینڈ گئی تھیں' ان پہ آپ کو ماہر فرید کی کمپنی نے بھیجا تھا۔''

صفورا نے چونک کے اسے دیکھا۔''کیا مطلب؟''

''اس کے سفید بالوں والے مینیجر نے مجھے بتایا تھا۔انہوں نے اپنی ایک شیل کمپنی کی طرف سے وہ ری ٹریٹس ارینج کروائی تھیں۔''

صفورا صدمے سے بیٹھی رہ گئی۔

''اور میں سمجھی میں اتنی قابل ہوں کہ مجھے خود اپروچ کیا گیا ہے۔''صفورا نے ماتھے کو چھوا۔پھر غصے سے کیف کو دیکھا۔''اور تم اتنے ذلیل انسان ہو کہ جب میں واپس آئی تم مجھے کال کر کے کہتے رہے کہ کشمالہ مہمانوں سے چڑتی ہے۔اس لیے اس کی والدہ کو دیکھنے نہ آئیں۔تم صرف مجھے مالا سے دور رکھنا چاہتے تھے تاکہ تمہارا پول نہ کھلے۔''

''انہوں نے مجھے دھمکایا تھا۔ماہر فرید نے کہا تھا وہ میری کیا میرے پورے خاندان کی جان لے لے گا۔میں کیا کرتا۔''

''تم اس کو لوزر کہتی تھیں صفورا۔''وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔''وہ کچھ بھی تھا مگر وہ لوزر نہیں تھا۔''

اور اسے ایک ایک کر کے سب یاد آنے لگا۔

''اس کے پاس برانڈڈ چیزیں ہوتی تھیں۔ہر چیز مہنگی تھی۔وہ ہر وقت ائیر پوڈز لگائے کال پہ ہوتا تھا۔وہ بہت

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

کام کرتا تھا۔ اور وہ بہت کم سوتا تھا۔ وہ خود کو چھپا نہیں سکتا تھا۔ مجھے شک ہوتا تھا لیکن.. وہ اتنا مہربان تھا صفورا کہ...'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ ابھی تک شاک میں تھی۔

''کہ مجھے لگا وہ برا آدمی نہیں ہے۔''

''وہ اپنا آفس ریموٹلی مینیج کر رہا تھا۔'' کیف جمال دھیرے سے بولا۔

''اس کے پاس اتنا وقت تھا؟''

''وہ سی ای او تھا۔ سی ای او ورک ہارڈ نہیں، ورک اسمارٹ کرتے ہیں۔ یعنی کم وقت میں کام کرتے ہیں۔''

''اس نے تمہیں کیوں ہائر کیا؟ تمہارے اندر کون سے سرخاب کے پر لگے تھے کیف؟'' صفورا ابھی تک غصے سے کیف کو دیکھ رہی تھی۔

کیف نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میرے نام کی وجہ سے۔ کیف۔''

''اس نام میں ایسا کیا خاص ہے؟''

''یہ اس کے باپ کا نام تھا۔''

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ بس یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نے اسے گوگل کیا تھا۔ اس کے انٹرویوز مجھے مل گئے تھے۔ لیکن وہ اس نے بعد میں ہٹوا دیے۔ اس نے اپنا سوشل میڈیا بھی بند کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیوں۔ اب سمجھ آیا وہ خود گارڈ بننے جا رہا تھا۔''

مگر کشمالہ کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔

''کیف اس کے باپ کا نام تھا۔ وہی باپ جس کو اس نے ایکسیڈنٹ میں مار دیا؟''

''جو ایکسیڈنٹ میں مرا، وہ اس کا سوتیلا باپ تھا۔ اس کا اصل باپ اس سے کئی سال پہلے برین ٹیومر سے مرا تھا۔ اس کا نام قاسم فرید تھا۔ قاسم علی امتیاز فرید۔ اس کے نام کے پہلے حروف جوڑو تو کیف بنتا تھا۔''

Kasim Ali Imtiaz Farid

KAIF

''کیف اس کی کمپنی کا نام بھی ہے۔ ماہر فرید دو سال پہلے اپنا فیملی بزنس چھوڑ کے استنبول چلا گیا تھا۔ اس نے وہاں پہ کیف نامی کمپنی بنائی تھی۔ جیسے شہزادے کسی زمانے میں اپنا تخت تاج چھوڑ کے چلے جاتے تھے۔ اس کے

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

انٹرویو میں لکھا تھا کہ وہ تین ہزار افراد کی کمپنی بنانا چاہتا ہے۔ وہ جو اس نے خود شروع کی ہو۔ نہ کہ اس کے باپ کے پیسے سے بنی ہو۔"

وہ اس بات پہ چونکی۔ آہستہ آہستہ یقین آنے لگا تھا۔ اور اس یقین کی تکلیف بہت زیادہ تھی۔

"وہ خطرناک آدمی ہے اور آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس کے پاس ایک البم تھا جس میں لڑکیوں کی زخمی تصاویر تھیں۔ میں نے کہا نا وہ ایک سائیکو ہے۔ اور...." کیف تیزی سے کہہ رہا تھا۔ "اور اس کے ہوٹل سوئیٹ کی شیشے کی کھڑکی پہ ہر طرف آپ کی تصاویر لگی تھیں۔ وہ آپ کو عرصے سے اسٹالک کر رہا تھا۔"

وہ اس کی بات سن رہی تھی۔ یا شاید نہیں سن رہی تھی۔ بس صوفے کی گدی کو مٹھیوں میں بھینچے بیٹھی رہی۔

"وہ کچھ بنا رہا تھا۔ کسی بزنس پلان پہ کام کر رہا تھا۔" اسے یاد آیا۔ "مگر نہیں۔ وہ کچھ اور بنا رہا تھا۔"

پھر وہ چونکی۔

"ماہر فرید.... وہ کیا ہے؟ وہ کام کیا کرتا ہے؟" اس کی آواز آہستہ تھی۔

"وہ آرکیٹیکٹ ہے۔ معمار۔"

اور اس ایک لمحے میں سارے پزل کے ٹکڑے ایک ساتھ فٹ بیٹھتے گئے۔

"وہ عمارتیں بناتا ہے۔ یونیک عمارتیں۔ "کیف" اس کی آرکیٹیکچرل فرم ہے۔ وہ اپنے آفس سے تین ماہ کی چھٹی پہ آیا تھا۔ کیونکہ اسے ایک خاص عمارت بنانی تھی۔ مجھے یہ اس کے مینیجر نے بتایا تھا۔"

وہ آرکیٹیکٹ تھا۔ اور ماہی کہتی تھی جنونی آرکیٹیکٹ صرف سیاہ اور سفید پہنتے ہیں۔ ان کے لیے سرمئی زون کچھ نہیں ہوتی۔

کشمالہ نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے۔

سب جھوٹ تھا۔ سب فریب تھا۔

اسے زندگی میں کسی انسان سے اتنی نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی ماہر فرید سے ہوئی تھی۔

(میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی' کیف۔) اس نے دل ہی دل میں اس کیف کو پکارا جو اتنا عرصہ اس کے قریب رہا تھا۔

اور گزشتہ روز... فلائیٹ میں بیٹھے... لیپ ٹاپ پہ کام کرتے ماہر فرید نے رک کے جیب سے ٹھنڈی خطائی نکال کے دیکھی تو اس کے چہرے پہ ایک زخمی تاثر بکھر گیا۔

www.facebook.com/nemrahahmed.official

''میری خواہش ہے کہ تم مجھے کبھی معاف نہ کرو، مالا۔''

اس نے کناروں سے ٹوٹی ہوئی خطائی واپس جیب میں ڈال دی۔

ہر ٹوٹی چیز جڑنے کے قابل نہیں رہتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official